[illegible] علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قیمت فی پرچہ

15/- روپے

ٹیلیفون

5714546/5753666

idara@toluislam.com

خط وکتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25/بی گلبرگ 2 لاہور

بدل الاشتراک

سالانہ

پاکستان ـ 170روپے

غیر ممالک .800 روپے

جلد 52	نومبر 1999ء	شمارہ نمبر 04

Bank Account No. 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore

ادارت

مدیر:

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)

محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)

سرکولیشن مینجر : مرزا محمد زمرد بیگ

کمپوزر : شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری

ناظم :- محمد سلیم اختر

ناشر :- عطا الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

جناب عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

جناب ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

جناب محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز : آفتاب عالم پریس'13 ہسپتال روڈ'لاہور---فون : 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
مثالی مملکت	ادارہ	5
الہ	ادارہ	17
منکرین حدیث کون ہیں ؟	ابو شہاب رفیع اللہ	19
پرویزی فرقے کی تلاش	ایاز حسین انصاری	28
کیا پرویزیت کفر ہے ؟	بشیر احمد عابد	33
علمائے کرام ایک عالم کی نظر میں	آزاد سبحانی مرحوم	38
فہم قرآن کی پیش شرائط	خواجہ محمد اسلم	40
تقریبات	ناصر سیفی	42
تذکرہ کے بصیرت افروز اقتباسات	علامہ عنایت اللہ المشرقی	47
دو قومی نظریہ اور جماعت اسلامی کی قلابازیاں	محمد اسلم نوید	53

ENGLISH SECTION

Taking Back The Night	Adeel Shafqat	62
Jamaat and Islamization	Ms. Shamim Anwar	64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری

اس میں شبہ نہیں کہ انسانی نظام کی آخری منزل وہی ہوتی ہے جس میں پوری کی پوری انسانیت ایک سطحِ بلند پر پہنچ کر اپنے معاملات کو صحیح بصیرت کی روشنی میں حل کرتی جائے گی۔ لیکن جب تک انسان اپنے بچپن میں ہے اس کی تاریخ میں فرد کو وہی اہمیت حاصل ہے' جو ایک خاندان میں بزرگِ خاندان کو ہوتی ہے۔ جب کسی قوم پر منحوس دن آتے ہیں' اگر اس وقت اس میں ایک فرد بھی ایسا ہو جو اپنی نگہِ بلند' کشادگیِ سینہ' حرارتِ قلب' زورِ بازو اور عزمِ راسخ سے نکبت و نحوست کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو تھام لے' تو اس قوم کی کشتی اس طوفانِ بلا سے صحیح و سلامت ساحلِ مراد تک جا پہنچتی ہے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ ایک قوم کی زندگی میں فرد کیا کام کر جاتا ہے' ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ خود ہماری تاریخ کی گذشتہ چند دہائیاں اس کی زندہ و تابندہ شہادات بہم پہنچانے کے لئے کافی ہیں۔ جب ہماری قوم کی حالت یہ تھی کہ وہ ایک راہ گم کردہ کارواں کی طرح' آوارۂ غربت تھی' اور ہر ایک سے پوچھتی تھی کہ جاؤں کدھر کو میں۔ عین اس وقت اس قوم سے ایک مردِ مومن اٹھا اور اس نے اپنی بصیرتِ قرآنی سے' ایک ایسی منزل کا نشان دے دیا جو روشنی کے بلند مینار کی طرح جگمگا رہی تھی۔ وہ حکیم الامت اس منزل کا سراغ دے کر چلا گیا' تو ملت کو ایک ایسا رہبر فرزانہ مل گیا جس نے اپنی خداداد ذہانت اور قابلِ رشک دیانت کو اس مقصد کے حصول کے لئے وقف کر دیا اور اپنی صحیح رہنمائی سے جریدۂ عالم پر اس حقیقت کو ثبت کر دیا کہ وہ فی الواقعہ اس آوارہ منزل قوم کا قائدِ اعظم ہے۔ قائداعظمؒ کی تشریف براری کے بعد' بدقسمتی سے اس قوم کی تقدیر سازی کا کام انسانوں کے اس انبوہ کے سپرد ہوا جسے قانون کی اصطلاح میں کبھی "مجلس دستور ساز" کے نام سے پکارا گیا اور کبھی پارلیمنٹ کہا گیا۔ اس گروہ نے قوم کو جس بری طرح سے رلایا ہے' دنیائے بدبختی و جہانِ سیاہ پوشی میں شاید ہی اس کی مثال کہیں اور مل سکے۔ لیکن اس وقت جب ہجومِ ناامیدی سے قوم کے حساس طبقہ کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ ان کے ہاتھ سے "دامنِ خیالِ یار تک چھوٹا جا رہا تھا" مبداء فیض کی کرم گستری سے' اس فنا آمادہ قوم میں پھر ایک فرد برسرِ اقتدار آگیا ہے۔ اس نے اپنے آہنی عزم سے پہلے بھاری مینڈیٹ کے کابوس کو سینۂ ملت سے اتارا اور اس کے بعد' ان نام نہاد عوامی نمائندگان کی اسمبلیوں کی آکاس بیل کو جڑ سے اکھیڑا تاکہ شجرِ ملت کے سرسبز و شاداب ہونے کی صورت پیدا ہو جائے۔ ناخدائے کشتیِ ملت جنرل پرویز مشرف نے مملکتِ پاکستان کو ایک ایسے خطرہ سے بچا لیا جس کے عواقب کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا

اے پیکرِ عزم و بسالت! اللہ کی ہزار نصرتیں آپ کے ساتھ ہوں اور بارگاہِ ایزدی سے آپ کو یہ توفیق ارزانی ہو کہ آپ اس مملکت کے سفینۂ برگِ گل کو ساحلِ مراد تک پہنچا کر دم لیں۔

یا رب ایں آرزوئے من چہ خوش است

اب جب کہ قدرت کی طرف سے آپ کو موقعہ مل گیا ہے کہ آپ پاکستان کی تقدیر کو ایک خاص قالب میں ڈھال سکیں، ہمارا پر خلوص مشورہ ہے، کہ آپ گذشتہ تجارب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ آپ کے نزدیک صرف ایسے افراد آنے پائیں جن کے سینے میں اسلام اور ملت کا درد، جن کی نگاہوں میں قرآن کی بصیرت، جن کی فکر بساطِ عالم سے آشنا اور جن کی خرد عقدہ کشائیِ ملت کی اہل ہو۔

قرآن نے استخلاف و استبدالِ قومی کے سلسلہ میں کہا ہے کہ ایک برباد شدہ قوم کی جانشین قوم اسی صورت میں زندہ رہ سکتی ہے کہ وہ اپنی پیش رفتہ قوم کی طرح نہ ہو **وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَ كُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ**۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ یہ تخریب پسند گروہ جس نے کہیں سیاست اور کہیں مذہب کے نقاب میں اس وقت تک پاکستان کو تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے۔ آشیانۂ ملت کو اس کی دستبرد سے بچانے کی فکر کیجئے۔ یہ اپنے آپ کو مصلحین کہتے ہیں لیکن قرآن کا ارشاد ہے کہ **اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ**۔ ملک میں تمام خطرات کی جڑ یہی گروہ ہے جو عوام کی سادہ لوحی کی وجہ سے قائدین کا گروہ بنے پھرتا ہے، حالانکہ انہیں علم تک بھی نہیں کہ جہانبانی و جہاں رانی کسے کہتے ہیں۔

خدا جانے یہ کس نے کہہ دیا ہے کم سوادوں سے
کہ جو تیشہ اٹھا لیتا ہے وہ فرہاد ہوتا ہے

فوجی حکمران تو پہلے بھی آئے ہیں لیکن آپ کو حالات اور تاریخ نے ملک و قوم کے احوال کی اصلاح کرنے کا جو موقع دیا ہے وہ آپ کی عظیم قومی خدمت ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ نے اپنے سامنے جو سات اہداف رکھے ہیں وہ صورت حال کے درست تجزیے کے مظہر ہیں۔ مزید برآں حکومت کے لئے جو راہنما اصول طے کئے ہیں ان کی اصابت و اہمیت میں بھی کچھ کلام نہیں۔ آپ نے جو حکومتی ڈھانچہ تجویز کیا ہے یہ آج کے حالات میں نہ صرف بہت مناسب ہے بلکہ بحالیٔ جمہوریت کے بعد اسے قائم رہنا چاہئے کیونکہ پچھلے عشرے کے حکمرانوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے اوپر کوئی چیک رکھنے، کوئی راہنمائی دینے والا ادارہ ہونا چاہئے۔

آخر میں ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ اس گروہِ زاغ و زغن کے شور و شین سے جو فی الفور نام نہاد جمہوری عمل کے حق میں کیا جا رہا ہے، بالکل نہ گھبرائیں اور نہایت عزمِ راسخ سے **خدا کی راہ نمائی** کی روشنی میں، اپنے فیصلوں کو بروئے کار لاتے جائیں۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے سردست ہم انہی گزارشات پر اکتفا کرتے ہیں۔ باقی رفتہ رفتہ پھر عرضِ خدمت کرتے رہیں گے۔

لختِ دلِ پُر خونے از دیدہ فرو ریزم
لعلے ز بدخشانم بردار و بجانم زن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثالی مملکت (IDEAL STATE)

ہمارے حکمرانوں کی شخصی اقتدار کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی ہوس، منتقم مزاجی اور بے تدبیری نے ایک بار پھر ایسا موقع پیدا کر دیا کہ مسلح افواج کو منتخب حکومت ہٹانے کا اقدام آخری اور ناگزیر قدم کے طور پر کرنا پڑ گیا۔ مہنگائی کے پہاڑوں تلے دبی پاکستانی قوم، مایوسیوں کے بھنور میں پھنسے عوام اور بیروزگاری کا سامنا کرتے نوجوانوں کے سامنے ابھی تک صورتحال واضح نہیں ہے کہ یہ تبدیلی ان کے لیے ایک روشن اور خوشحال مستقبل لانے والی ہے یا یہ لمحات بھی ماضی کے ان واقعات کی طرح سراب ثابت ہوں گے جنہوں نے انقلاب کے سنہرے خواب تو دکھائے لیکن ان کی تعبیر قوم کو اور مہیب بحرانوں کے سپرد کر گئی۔

ملک کے نئے چیف ایگزیکٹو نے 17- اکتوبر کے خطاب میں اچھی حکومت کے قیام کا عندیہ دیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس موقعہ پر طلوع اسلام جنوری 1983ء میں شائع ہونے والے مضمون بعنوان "مثالی حکومت" کا دہرانا غیر مناسب نہ ہوگا۔ آیئے دیکھتے ہیں قرآن کی رو سے کونسا طرز حکمرانی اچھی حکومت کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ (مدیر)

تمام ناکامیوں میں سب سے بڑی ناکامی خود انسان کی ہے۔ اس انسان کی جو سب سے زیادہ مدنی الطبع اور سب سے زیادہ متمدن ہے۔ اور وہ ناکامی یہ ہے کہ یہ اپنے لیے آج تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں کر سکا جسے دور سے بھی، اچھی حکومت کہا جاسکے۔ اس نے اس باب میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ بہت سی ایسی جو فی الواقعہ محیر العقول ہیں اور بہت سی ایسی جو بڑی جرات آزما تھیں لیکن جب ان کی عملی تنفیذ کا وقت آیا تو نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ نظری طور پر حکومت کا خاکہ کھینچ لینا اور بات ہے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنا اور بات۔ نظری طور پر حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ افراد مملکت کی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے اور ارباب حکومت پبلک کے خادم ہیں لیکن جب حکومت ہاتھ آ جاتی ہے تو اس پبلک کی خدمت نہیں بلکہ سلب و نہب ہو جاتا ہے۔

یہ الفاظ عہد قدیم کے کسی سیاستدان یا مفکر کے نہیں، جو اس نتیجے پر اس زمانے میں پہنچا ہو جب انسان نے ہنوز، محض دو ایک اسالیب حکومت کا تجربہ کیا تھا اور اسے ان نظام ہائے مملکت کا علم نہیں تھا جنہیں انسانوں نے بعد میں وضع اور اختیار کیا۔ اگر اس کے سامنے، بعد کے وضع کردہ نظام ہوتے تو وہ اس نتیجہ پر نہ پہنچتا۔ یہ الفاظ خود ہمارے زمانے کے ایک ماہر سیاست (H.J.Mencken) کے ہیں۔ جنہیں اس نے اپنی کتاب (Treatise On Right & Wrong) میں عہد قدیم سے لے کر، عصر حاضر تک کے تمام نظامہائے حکومت کا جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے۔ اس میں مغرب کا وہ جمہوری نظام بھی شامل ہے۔ جو اس وقت تک کی فکر انسانی کی آخری ایجاد ہے، اور جس پر یورپ کو بڑا ناز ہے (یا بڑا ناز تھا) اس سب سے آخری نظام کے متعلق پروفیسر مینکن لکھتا ہے:

ان مختلف اسالیب حکومت میں، سب سے زیادہ ناکام، نظام جمہوریت رہا ہے۔ جمہوری نظام کے ارباب حل و عقد خوب جانتے ہیں کہ حکومت کی بنیاد معقولیت پر ہونی چاہیے لیکن ان کا جذبہ محرکہ کبھی معقولیت پسند نہیں ہوتا۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ جو عنصر بھی باہر سے زیادہ دباؤ ڈال سکے، اس کا ساتھ دیا

جائے چنانچہ اس ہتھکنڈے سے' یہ لوگ' ان عناصر کے توسط سے جو فی الحقیقت پبلک کے دشمن ہوتے ہیں' لامتناہی عرصہ تک برسر اقتدار رہتے ہیں۔

مغرب کے جمہوری نظام کی ناکامی کی اصلی وجہ کیا ہے' اس کے متعلق ہم بعد میں دیکھیں گے۔ سردست' صرف اتنا دیکھئے کہ مورخین اور مفکرین کی رائے یہ ہے کہ انسان نے اپنی تمدنی زندگی کے پانچ چھ ہزار سال کے عرصہ میں جس قدر اسالیب حکومت وضع کئے ہیں ان میں ایک بھی کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ سب ناکام رہے ہیں۔ میں نے مورخین اور مفکرین اس لیے کہا ہے کہ انسان نے سابقہ نظامہائے حکومت کے ناکام تجارب کے بعد جس جمہوری نظام کو اختیار کیا تھا' اس کے ہاتھوں یورپ کے قریب قریب تمام ارباب فکر و نظر تنگ آچکے ہیں' اور اس کی بجائے کسی بہتر نظام کی تلاش میں مضطرب و بے قرار پھر رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ انسان نے اتنے طول طویل عرصہ میں' اس قدر مختلف اور متنوع تجربے کئے تو اس کی کیا وجہ تھی کہ ان میں کوئی تجربہ بھی کامیاب ثابت نہ ہوا۔ سب ناکام رہ گئے۔ انسان کی اس مایوس کن ناکامی کے اسباب و وجوہات کی تفصیل میں جائیں تو نہ معلوم داستان کس قدر طویل ہو جائے لیکن اسے اگر چند لفظوں میں سمیٹا ہے تو اس ناکامی کی بنیادی وجہ یہ سامنے آئے گی کہ انسان نے جو نظام حکومت بھی وضع کیا' اس میں حکومت کا اختیار و اقتدار' انسانوں کے ہاتھ میں تھا۔ مختلف زمانوں میں حکومت کی شکلیں بدلتی رہیں لیکن روح' ہر پیکر میں کار فرما رہی۔ وہ قدیم ترین زمانہ کا قبائلی نظام تھا یا بعد کا شہنشاہی نظام۔ وہ مذہبی پیشوائیت کے سہاروں پر قائم کردہ خداوندی اختیارات (Divine Rights) کا حامل نظام تھا' یا خدا کو حدود مملکت سے باہر نکال کر سیکولر نظام۔ وہ عصر حاضر کا ڈکٹیٹر شپ کا نظام تھا یا انسانی ذہن کی آخری تصنیف' جمہوری نظام۔ ان سب میں ایک حقیقت کارفرما رہی اور کارفرما ہے اور وہ یہ کہ ان میں حکومت کا اقتدار' انسانوں کے ہاتھ میں تھا۔ وہ انسان ہو یا انسانوں کی جماعت' اس نے قوت بازو سے سلطنت حاصل کی ہو یا وہ لوگوں کا منتخب کردہ ہو۔ اس کا نتیجہ آلڈوس ہکسلے کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

تاریخ میں کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جو یہ بتائے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں قوت و اقتدار آیا ہو ان میں سرکشی نہ پیدا ہوگئی ہو اور ایسا باور کرنے کے لیے کوئی وجہ موجود نہیں کہ جو کچھ پیچھے سے ہوتا چلا آ رہا ہے وہ آج نہیں ہوگا یا آئندہ بھی ایسا ہی نہیں ہوتا رہے گا۔ (Science, Liberty & Peace)

"تشکیل انسانیت" کا مصنف' برفو' اس سلسلہ میں لکھتا ہے۔

یہ بیماری لازمی اور لاعلاج ہے۔ ارادے کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں' جب اقتدار ہاتھ میں آ جائے تو اس کے مہلک اثرات سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ نشہ اقتدار وہ بلا ہے جس سے انسانی قالب کی ہر حرکت الٹی ہو جاتی ہے' ہر شے ٹیڑھی نظر آتی ہے۔ ہر نقطہ نگاہ باطل ہو جاتا ہے' ہر فیصلہ میں ذاتی رجحانات کی رنگ آمیزی ہو جاتی ہے' ہر معاملہ میں تعصب دخیل ہو جاتا ہے' تمام ذہنی سکے فریب کے ٹکسال میں ڈھلنے شروع ہو جاتے ہیں' پر فریب اقتدار دل و دماغ پر مستولی ہو جاتا ہے۔

اسی حقیقت کو ہمارا حکیم مشرق ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ:

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرتِ انساں کی قبا چاک
تاریخِ امم کا یہ پیامِ ازلی ہے!
صاحبِ نظراں' نشۂ قوت ہے خطرناک
اس سیلِ سبک سیرو زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

"اسکندر و چنگیز" کی طرف اشارہ کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ انسانیت کی یہ تباہیاں' صرف شخصی حکمرانوں کے ہاتھوں میں آئی ہیں۔ جمہوری حکومت میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے اس لیے کہ:

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

سوال شخصی اور جمہوری حکومت کا نہیں۔

ایک انسان کا دوسرے انسان پر اقتدار و اختیار' خواہ وہ کسی رنگ میں ہو' استبداد ہے۔ طاقتور ہمیشہ کمزور کے حقوق کو غصب کرتا ہے۔ قوت' عدل و انصاف کو پامال کر دیتی ہے۔ اس لیے ظالم و جابر ہوتی ہے--- یہ انکشاف آج کا نہیں۔ بہت قدیمی ہے کہ اقتدار مطلق' بنیادی طور پر باطل ہے خواہ یہ کسی کے ہاتھ میں بھی کیوں نہ ہو۔ لارڈ ایکٹن نے ٹھیک کہا تھا کہ قوت' انسان کو خراب کر دیتی ہے اور مطلق قوت' اسے بالکلیہ خراب کر دیتی ہے--- نشہ اقتدار سے انسان میں معقولیت کے ساتھ سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ قوت کسی رنگ میں ہو۔ اس کے یہی نتائج ہوں گے۔ وہ جاہ و منصب کی ہو یا پنجہ فولاد کی۔ دولت کی ہو یا محض ذہنی برتری کی۔ دفاتری زندگی میں کسی افسر کی ہو یا حاکم کی۔ کسی پادری کی ہو یا پروہت کی۔ قوت بہرحال قوت ہے اور فساد کی جڑ۔ اس کا لازمی نتیجہ ظلم اور بیدادگری ہوتا ہے--- اور ان سب میں' سب سے زیادہ خراب قوت وہ ہے جو اکثریت محض اپنی تعداد کے زور پر' اقلیت کے خلاف استعمال کرتی ہیں۔ (برفو' تشکیل انسانیت)

یورپ کے سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کے خلاف کمیونزم نے آواز بلند کی تھی اور دنیا کے مزدوروں کو پکار کر کہا تھا کہ اس لعنت کے خلاف متحدہ طور پر محاذ قائم کرو۔ اس میں سوائے تمہاری زنجیریں ٹوٹ جانے کے اور کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ جور واستبداد کے ستائے ہوئے انسانوں نے' اس آواز کو نوید مسیحا سمجھا اور اس آئین نو کو گلے سے لگایا لیکن تجربے نے جلد ہی بتا دیا کہ کمزوروں کو آزادی اس سے بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

لارڈ اسنل اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ

حکومتیں انسانوں پر مشتمل ہوتی ہیں اور ہر انسان میں وہ کمزوریاں پائی جاتی ہیں جو نوع انسان کا خاصہ ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ قوانین وضع کرتے ہیں اور ملک کی پالیسی کی تشکیل کرتے ہیں۔ وہ دوسرے لوگوں سے کسی طرح بھی زیادہ شریف یا زیادہ ہوشمند نہیں ہوسکتے۔

اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ انسان فطرتاً" ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ کوئی قابل اطمینان نظام حکومت قائم نہیں کرسکتا لیکن برفو اسے انسان کی بدفطرتی پر محمول نہیں کرتا۔ وہ اپنے اسی نظریہ کو دہراتا ہے کہ:

"قوت بہرحال قوت ہے اور فساد کی جڑ۔ اس کا لازمی نتیجہ ظلم اور بیدادگری ہوتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ ہر شخص فطرتاً" بدواقع ہوا ہے بلکہ اس لیے کہ قوت کا نشہ ہی ایسا ہوتا ہے"۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ انسان اپنے پانچ چھ ہزار سال کے ناکام تجارب کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جب تک اقتدار انسانوں کے ہاتھ میں رہے گا (خواہ وہ ایک انسان ہو یا انسانوں کی جماعت) دنیا میں اطمینان بخش نظام تمدن و مملکت قائم نہیں ہوسکے گا۔ ایسے نظام کے قیام کے لیے اولین اور بنیادی شرط یہ ہے کہ حکومت کا اختیار اور اقتدار کسی انسان کے ہاتھ میں نہ رہے۔

سوال یہ ہے کہ جس نتیجے پر انسان' اتنے طویل المیعاد تجربات' اور اس قدر جانکاہ مشقتوں اور جگر پاش مصیبتوں کے بعد پہنچا ہے جس نتیجہ تک پہنچنے کے لیے اسے اس قدر خون کے دریا بہانے اور آگ کی خندقیں پیرنی پڑیں۔ جس کے لیے انسانیت' صدیوں تک تڑپتی' پھڑکتی' کٹتی' جھلستی اور ذبح ہوتی رہی۔ کیا یہ آواز اس سے پہلے بھی کہیں سے سنائی دی تھی' اور اگر سنائی دی تھی تو اس نے کیا نتیجہ پیدا کیا تھا؟ ہاں! یہ آواز' آج سے قریب ڈیڑھ ہزار برس پہلے عرب کی سرزمین میں

جہاں اس سے پہلے علم وبصیرت کی کرن تک کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ایک صحرا نشین ﷺ کی زبان سے بلند ہوئی تھی جس نے وحی خداوندی کے الفاظ میں ساری دنیا کو للکار کر کہا تھا کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (12:40) حکومت کا حق خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتاں آزری

وہ اپنے اس حق حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۝ (18:26)۔ اور حقیقت کہ اس حق میں کسی کو شریک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ معلوم کائنات کی ساری مخلوق میں' انسان کا مقام سب سے اونچا ہے۔ جب انسان اس حق خداوندی میں شریک نہیں تو اس کے بعد' اس میں اور کون شریک ہو سکتا ہے۔

برگسان نے کہا تھا کہ مملکت کا اقتدار اعلیٰ' انسانوں پر نہیں بلکہ اشیاء پر ہونا چاہیے' تاکہ ایک انسان کا دوسرے انسان پر کوئی اقتدار نہ ہو۔

(The Two Sources of Morality & Religion)

جہاں تک اشیائے کائنات پر اقتدار کا تعلق ہے' زبان وحی نے انسانوں سے کہہ دیا کہ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ (45:13)۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے' خدا نے سب کو' اپنے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ تاکہ انسان' ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے۔ آدم کے سامنے ملائکہ کے سجدہ ریز ہونے سے مفہوم ہی یہ ہے کہ انسان' کائنات کی ہر قوت کو مسخر کر سکتا ہے۔ اس لئے اشیائے کائنات پر انسان کا کلی اقتدار ہے لیکن جہاں تک خود انسانوں کا تعلق ہے خدائے کائنات نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (3:78)۔ کسی انسان کے شایان شان نہیں کہ خدا اسے ضابطہ قوانین' ان قوانین کو نافذ کرنے کا اختیار اور نبوت تک بھی دیدے تو وہ دوسرے انسانوں سے کہے کہ تم خدا کی محکومی کو چھوڑ کر میری محکومی اختیار کرو۔"

اسے پھر سن لیجئے کہ خدا نے یہ کہا ہے کہ دنیاوی حکومت کی مسندوں پر براجمان ہو جانے والے تو ایک طرف رہے کسی نبی کو بھی اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ انسانوں پر اپنی حکومت چلائے۔ وہ یہی کہے گا کہ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ (19:30) میں خود خدا کا محکوم ہوں۔ اس لیے مجھے حق حکومت کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟

برادران عزیز! غور کیجئے۔ اس سے بڑا انقلابی اعلان' کائنات کی فضاؤں میں کہیں اور بھی سنا گیا ہے؟ وہ اعلان جس نے اس تصور کو یکسر باطل قرار دے دیا کہ کسی انسان کو دوسرے انسان پر کسی قسم کا اقتدار و اختیار حاصل ہے۔ اس اعلان عظیم نے' انسانوں کے خود ساختہ ایوانہائے حکومت وسطوت کی بنیادوں تک کو ہلا دیا اور غلامی اور محکومی کی ان تمام زنجیروں کو توڑ کر رکھ دیا جن میں انسانیت صدیوں سے جکڑے چلی آ رہی تھی۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (7:157)۔ خواہ یہ زنجیریں' دنیاوی حکمرانوں کے تغلب و تسلط نے انسانوں کی گردن میں ڈال رکھی ہوں اور خواہ مذہبی پیشوائیت نے تقدس و عقیدت کے ہاتھوں انہیں لوگوں کے دل و دماغ کے گرد لپیٹ رکھا ہو۔ اس زلزلہ انگیز اعلان حریت نے ان تمام زنجیروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور انسان کو دنیا میں گردن اٹھا کر چلنے کے قابل بنا دیا۔

یہاں سوال یہ سامنے آتا ہے کہ "خدا کی حکومت" سے مفہوم کیا ہے؟ خدا نہ کسی کے سامنے آتا ہے نہ اس کا تخت حکومت کہیں بچھا ہوا نظر آتا ہے نہ اسے کسی نے کوئی حکم دیتے دیکھا ہے نہ اس کی آواز سنی ہے۔ پھر اس کی حکومت کے معنی کیا ہیں؟ کیا اس سے مراد انسانوں کا خدا کے نام پر حکومت کرنا ہے؟ کیا اس سے مطلب یہ ہے کہ بعض انسانوں کو خدائی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اگر یہی مطلب ہے تو تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ اس سے بڑھ کر

استبداد اور سخت گیری کی مثال کسی اور انداز حکومت میں نہیں ملے گی؟ انسان' نے جس قدر' خدا کا نام لے کر' دوسرے انسانوں کو ستایا ہے' شیطان کے حصے میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں آیا ہوگا۔ اور تماشہ یہ کہ نمرود و فرعون' اور ہلاکو اور چنگیز نے اگر انسانوں پر مظالم روا رکھے تو دنیا آج تک ان کا نام لعنت اور پھٹکار سے لیتی ہے لیکن جن "مقدسین کے طائفہ" نے ان سے کہیں زیادہ انسانیت کے خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگے' ان کے مجسمے پرستش گاہوں میں نصب کئے گئے۔ لہٰذا خدا کی حکومت سے یہ مفہوم تو ہو نہیں سکتا۔ وہ قرآن جو کسی نبی تک کو انسانوں پر حکومت کرنے کا حق نہیں دیتا عام انسانوں کو اختیارات خداوندی استعمال کرنے کا حق کیسے دے گا؟

آپ دیکھئے کہ انسانی اقتدار و اختیار سے مراد کیا ہے؟ انسان دوسرے انسانوں پر کس طرح حکومت کرتا ہے؟

آپ عہد قدیم کے بے آئینی کے دور کو چھوڑیئے جب ایک انسان محض قوت کے زور پر' دوسرے انسانوں پر حکومت کرتا تھا۔ ہمارے زمانے میں یہ حکومت "قانون" کے ذریعے ہوتی ہے جس انسان' یا انسانوں کی جماعت کو' قانون سازی کا حق ہوتا ہے' زمام اقتدار اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ جماعت جو کچھ کرنا چاہتی ہے پہلے اس کے لیے ایک قانون وضع کرلیتی ہے۔ اس کے بعد اس کا ہر قدم' قانون کے مطابق (Legal) ہو جاتا ہے اور ہر حرکت' آئینی (Constitutional) قرار پا جاتی ہے اس کا نام انسانوں کی ذکشنری میں "مہذب طرز حکومت" یا عادلانہ انداز مملکت ہے لیکن اگر الفاظ کے ان حسین و جمیل پردوں کو ہٹا کر' اصل حقیقت کو دیکھیں تو' آلڈوس ہکسلے کے الفاظ میں۔

اس باب میں دور جاہلیت اور عہد حاضر میں بس یہ فرق نظر آئے گا کہ ہم کھلے ہوئے تشدد کی دنیا سے فریب کاری کی دنیا کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔

(End And Means)

قرآن' قانون سازی کا حق کسی انسان' یا انسانوں کی جماعت کو نہیں دیتا۔ وہ قانون کے سرچشمہ اور ماخذ کو اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (13:39)- وہ کہتا ہے کہ انسانی زندگی کے لیے جس قدر قوانین و ضوابط کی ضرورت تھی' ان کے اصول و حدود' خدا نے متعین کر دیئے۔ جن میں تغیر و تبدل کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ (6:116)- اب انسانوں کے لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ ان اصولی قوانین کی روشنی میں پیش آمدہ معاملات کا فیصلہ کرتے جائیں۔ خدا نے یہ قوانین' قرآن کریم کے اندر منضبط و محفوظ کر دیئے اور اس کے بعد' اور تو اور' خود نبی اکرم ﷺ سے کہہ دیا کہ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (5:48)- ان کے معاملات کے فیصلے' انہی قوانین کی روشنی میں کرتے جاؤ' اور دوسری طرف یہ اعلان کر دیا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (5:44)-

جو لوگ اس کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے جو خدا نے نازل کیا ہے انہیں کافر کہا جائے گا۔ (5:44)

ان اصولی قوانین کو مستقل اقدار (Permanent Values) کہا جاتا ہے۔ مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات کے مطابق' ان اقدار کو نافذ کرنے کے لیے عملی تدابیر سوچے اور ذرائع و وسائل بہم پہنچائے اس کا "حق قانون سازی" صرف اس حد تک محدود ہوگا۔ یہی وہ بنیادی اصول مملکت ہے جس کے متعلق پروفیسر جوڈ نے کہا تھا کہ:

اچھی زندگی سے مفہوم یہ ہے کہ انسان مستقل اقدار کو حاصل کرسکے۔ بنا بریں میں کہہ سکتا ہوں کہ مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ایسے حالات پیدا کرے جن میں ایک انسان کے لیے مستقل اقدار کا حصول ممکن ہو جائے۔ سوسائٹی کی ترقی کا یہی ایک پیمانہ ہے۔

(Guide to the philosophy of morals and politics)

قرآن جب مملکت کو مستقل اقدار کے تحفظ کا ذریعہ بتاتا ہے تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ محض اخلاقی اقدار (Ethical Values) کا تحفظ چاہتا ہے' اور مادی اقدار (Material Values) سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ وہ نظام مملکت کو مادی اقدار کے تحفظ کا بھی ضامن قرار دیتا ہے' اس لیے کہ' انسان کی موجودہ سطح زندگی پر اخلاقی اقدار' مادی ذرائع ہی سے بروئے کار آتی ہیں۔ اسی لیے قرآن (Sound Mind in a sound body) توانا جسم میں توانا قلب۔۔۔ کے اصول کا قائل ہے۔ وہ کہتا ہے تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا نظام مملکت کی ذمہ داری ہے۔ اس کے لے مملکت' خدا کی طرف سے یہ ذمہ داری اپنے اوپر لیتی ہے اور افراد معاشرہ کو اس کی ضمانت دیتی ہے کہ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ (6:151)- تمہیں اور تمہاری اولاد کو سامان زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری ہم پر ہے جب تک مملکت اس فریضہ خداوندی کو ادا کرتی رہتی ہے وہ خدا کی حفاظت میں رہتی ہے۔ جب وہ اس سے غافل ہو جاتی ہے' خدا کی ذمہ داری بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ

اگر کسی بستی میں کوئی ایک شخص بھی اس حالت میں صبح کرے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو' تو اس بستی کے رہنے والوں سے خدا کی حفاظت کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

اور اسی عظیم ذمہ داری کا احساس تھا جس کی بنا پر حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ "اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مرگیا تو خدا کی قسم عمرؓ سے اس کی باز پرس ہوگی۔" "بنیادی ضروریات زندگی" میں روٹی' کپڑا' مکان' علاج سب کچھ آ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ' مملکت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ افراد معاشرہ کی ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کی نشوونما کا سامان بہم پہنچائے۔ اس لیے کہ قرآن نے اسلامی مملکت کے خدوخال میں یہ بھی کہا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ (22:41)- وہ سامان نشوونما بہم پہنچاتی ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (23:4) وہ لوگوں کی صلاحیتوں کی نشوونما کی تدابیر کرتے ہیں۔ پروفیسر مینکن نے کہا تھا کہ نظری طور پر مملکت' افراد مملکت کی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن قرآن نے اس سے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ نظری طور پر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر' مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی مہیا کرے اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے سامان و ذرائع بہم پہنچائے۔

یہ مملکت اس سامان پرورش اور اسباب نشوونما کو صرف اپنے شہریوں تک محدود نہیں رکھے گی۔ یہ اس کی ابتدا اپنے ہاں سے کرے گی لیکن اس کے بعد اس دائرے کو وسیع سے وسیع تر کرتی چلی جائے گی۔ اس لیے کہ یہ اس خدا کے احکام و قوانین کو جاری و ساری کرنے کے لیے وجود میں آتی ہے جو رب العلمین اور رب الناس ہے یعنی تمام نوع انسان کا پرورش کرنے والا۔ اس لیے یہ مملکت اس باب میں انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں کرے گی۔ اس ضمن میں قوم' ملک' رنگ' نسل' زبان حتی کہ مذہب تک کا اختلاف بھی' کوئی تفریق پیدا نہیں کرے گا۔ اس کے لیے بس "انسان" ہونا ہی کافی ہوگا۔ وہ کسی ملک کا رہنے والا ہو۔ کسی قوم کا فرد ہو۔ کسی نسل سے متعلق ہو۔ کوئی زبان بولتا ہو۔ اور اس کا مذہب بھی کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مملکت ان سب سے یکساں سلوک کرے گی۔ صرف "یکساں سلوک" ہی نہیں' بلکہ ان سب کی یکساں عزت کرے گی۔

بنیادی حیثیت اس "قدر" کو حاصل ہے کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (17:70) خدا نے تمام انسانوں کو' محض انسان ہونے کی جہت سے یکساں طور واجب التکریم پیدا کیا ہے۔ ہر انسانی بچہ' پیدائش کے اعتبار سے یکساں عزت کا مستحق ہے۔

آدمیت احترام آدمی ست

اس مملکت کا منشور ہوگا۔

ہمارے زمانے میں' انسانی تباہی کا سب سے بڑا سبب' نیشنلزم کا مغربی تصور ہے جس نے انسانوں کی برادری کے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں کہ ایک انسان' دوسرے انسان کے خون کا پیاسا ہوگیا ہے۔ انسان کی' اس سے بڑی حماقت کیا ہوگی کہ وہ نقشے پر ایک لکیر کھینچ لیتا ہے اور پھر اس لکیر کے دوسری طرف بسنے والے' اپنے ہی جیسے انسانوں سے شدید نفرت اور سخت عداوت' دل میں پیدا کرلیتا ہے۔ ہمارے دور کی تاریخ بتاتی ہے کہ :

مختلف اقوام میں باہمی لڑائیوں کا سبب اس کے سوا شاید ہی کچھ اور ہو کہ انسانوں کی مختلف جماعتوں نے اپنے لیے الگ نام رکھ لیے تھے۔

(Fredrick Hertz---Nationality in History and Politics)

یہی وہ نیشنلزم ہے جو برٹرینڈرسل کے الفاظ میں :

نوع انسان کی تباہی کے لیے سب سے بڑی قوت ہے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ دوسرے ملکوں کی نیشنلزم بڑی خراب چیز ہے اور اپنے وطن کی نیشنلزم بہت اچھی ہے۔

(The hope for a Changing world)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے پچاس سال پہلے کہا تھا کہ تہذیب آذر نے جس قدر صنم ترشوائے ہیں۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات' وحی کی عطا کردہ بصیرت کی روشنی میں کہی تھی۔ یورپ کے مفکر' پچاس سال کے تجربے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

نیشنلزم ایک بت پرستانہ اور مشرکانہ مذہب کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ایسا مذہب جو فساد اور تفریق انسانیت کے لیے ایسا طاقتور ہے کہ کوئی توحید پرست مذہب' فلاح و وحدت انسانیت کے لیے اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا نیشنلزم بالکل پاگلوں کا مسلک ہے۔

(A.Huxley---The Perennial Philosophy)

اسی لیے

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر سے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

مغرب کے تصورِ قومیت کے مقابلہ میں یہ "قومیتِ اسلام" کیا ہے جس کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے؟ اسے سمجھ لینے سے قرآن کی پیش کردہ مثالی مملکت کا واضح تصور سامنے آجاتا ہے۔ قرآن کا اعلان ہے کہ **كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً** (2:213) تمام نوع انسان ایک عالمگیر برادری ہے۔ اس لیے وہی نظام تمدن صحیح اور کامیاب ہوسکتا ہے جو پوری انسانیت کو ایک قوم تصور کرکے قائم کیا جائے۔ جب تک انسان' رنگ' نسل' زبان اور جغرافیائی حدود کی بنیادوں پر مختلف قوموں میں بٹا رہے گا' دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکے گا۔ یورپ نے نیشنلزم کی تباہیوں کا علاج' انٹرنیشنلزم میں سوچا لیکن اتنے مختصر عرصہ کے تجربہ نے ہی یہ حقیقت اس پر واشگاف کر دی کہ اس مصیبت کا یہ حل بھی نہیں۔ اس لیے کہ

جو مسئلہ دنیا کے سامنے پیش ہے وہ ایسا مسئلہ نہیں جو قوموں کے حل کرنے کا ہو۔ وہ تو خود قوموں کا پیدا کردہ ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ نیشنلزم کے نظریہ نے انسانی معاشرہ میں ایک فساد برپا کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ خود نیشنلزم' خواہ وہ انٹرنیشنلزم ہی کیوں نہ بن جائے' اس کا حل دریافت کرسکے۔ اس مسئلہ کا حل عالمگیر انسانیت ہے۔ یعنی ایک ایسا عقیدہ یا تحریک جس کا مقصد یہ ہو کہ وہ قومیت اور بین الاقوامیت کی سطح سے بلند ہو کر خالص انسانی سطح پر امن قائم کرنا چاہتی ہے۔

(Emery Reves---The Anatomy of Peace)

انسان کے تمدنی مسائل کا یہ وہ حل ہے جسے زبان وحی نے آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے پیش کیا تھا۔ انسانی ذہن نے اسے اس وقت نہ اپنایا' لیکن اب صدیوں تک آگ اور خون کی ہولی کھیلنے کے بعد بالاخر وہ اس حل کی طرف آ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو مثالی مملکت ان خطوط کے مطابق متشکل کی جائے گی اس کی ابتدا کسی ایک خطہ زمین سے ہو گی۔ یہ خطہ زمین اس عظیم عالمگیر انقلابی نظریہ کی تجربہ گاہ بنے گا۔ اس خطہ زمین کی حفاظت نہایت ضروری ہوگی۔ اس لیے کہ اگر لیبارٹری ہی محفوظ نہیں رہے گی تو تجربہ کہاں ہوگا؟ اس مثالی مملکت میں وطن کی یہ حیثیت ہوتی ہے اور اس اعتبار سے' اس کا مستحکم اور محفوظ رکھنا افراد وطن کا اولین فریضہ ہوتا ہے۔ وطن وہ صدف ہے جس میں جوہر انسانیت' گہر آبدار بنتا ہے۔ اس لیے گہر کی پرورش اور نشوونما کے لیے صدف کی حفاظت اور استحکام ضروری ہے۔ وطن ہی نہیں' بلکہ ساری طبیعی زندگی اور مادی اسباب و وسائل وہ مرکب (Vehicle) ہیں جن پر سوار ہو کر جوہر انسانیت اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔ جو مسافر اپنی سواری کی پرواہ اور حفاظت نہیں کرتا' اس سے زیادہ احمق کون ہے لیکن سواری' بہرحال ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے۔ مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ وہ (Means) ہوتی ہے (End) نہیں ہوتی۔

اب مجھے اس سوال کی طرف آنا چاہیے جو اس مقام پر آپ کے دل میں بار بار ابھر رہا ہے۔ یعنی اس سوال کی طرف کہ جہاں تک ان اصولوں کا تعلق ہے' وہ تو فی الواقعہ مثالی (Ideal) ہیں لیکن مملکت کا کاروبار بالاخر انسانوں کے ہاتھوں سے سرانجام پائے گا۔ اس کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ انسان ان اصولوں کو اچھی طرح چلائیں گے اور انہیں (Abuse) نہیں کریں گے۔ جہاں تک محض اصولوں کا تعلق ہے' دنیا کی کوئی مملکت بھی ایسی نہیں جس کے آئین و ضوابط میں کوئی نہ کوئی اچھا اصول نہ ہو۔ ان سب کے ہاں اچھے اچھے اصول' آئینی ضابطوں میں درج ہیں لیکن انسانی ہاتھوں سے ان اصولوں کی جو درگت بنتی ہے' وہ سب کے سامنے ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن اس مشکل کا کیا حل تجویز کرتا ہے۔ سوال بڑا اہم اور بنیادی ہے۔ اس لیے اس کا جواب بھی اسی نسبت سے غور طلب اور محتاج توجہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ دنیا کی مختلف مملکتوں میں باوجودیکہ ان کے آئین و ضوابط میں بلند پایہ اصول مندرج ہیں اس قدر فساد کیوں برپا ہے۔ مختلف اقوام میں' باوجودیکہ ان میں بین الاقوامی معاہدات اور عالمی اداروں کی بلند آہنگ قراردادیں موجود ہیں' باہمی بے اعتمادی اور تخریب کوشی کیوں ہے؟ پھر کسی ایک ملک یا قوم میں نہایت عمدہ ضوابط قوانین و ہدایات کے باوجود' ارباب اقتدار ان کی پاسداری اور عام افراد مملکت' قانون کا احترام کیوں نہیں کرتے۔ (Spalding) ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب دیتا ہے۔ وہ اپنی کتاب (Civilisation in East & West) میں لکھتا ہے۔

موجودہ یورپ دنیا کو "مادی انجیل" کا سبق دیتا ہے۔ جس سے زندگی کے متعلق وہ تصور پیدا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ انسانی امن کے بجائے درندوں کی جنگ ہے۔ عالمگیر شورش اور عدم اطمینان اسی تصور کا نتیجہ ہے۔ تہذیب مغرب کے لیے (اور اس کے ساتھ دوسری تمام تہذیب کے لیے جو اس کی نقل کرتی ہیں) خطرہ کا موجب حکومت کی کوئی خاص شکل نہیں۔ اصل خطرہ کی بات یہ ہے کہ ان کی ہر حکومت خاص مادی بنیادوں پر قائم ہے۔ جب تک یہ بنیاد نہیں بدلتی' شکلوں کے بدل دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ یہ "مادی تصور حیات" کیا ہے جو عالمگیر فساد کی جڑ' قومی تباہ کاریوں کا موجب اور انفرادی خرابیوں کا باعث ہے۔ اس تصور حیات کی تفصیل تو لمبی ہے لیکن اس کا ماحصل یہ ہے کہ انسانی زندگی عبارت ہے اس کے جسم سے جو طبعی قوانین کے مطابق زندہ رہتا ہے اور انہی کے مطابق ایک دن ختم ہو جاتا ہے اور اس کے خاتمے سے اس فرد کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نہ انسان کی زندگی اس کے علاوہ کچھ اور ہے اور

ہی اس کے اوپر کوئی اور قوت۔

اس تصور حیات کا جو اثر زندگی کے اور شعبوں پر پڑتا ہے' اس وقت اسے چھوڑیئے۔ اس وقت صرف یہ دیکھئے کہ جہاں تک انسان کی تمدنی اور سیاسی زندگی کا تعلق ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ ذیل کی مثالیں اس حقیقت کو واضح کر دیں گی۔

خروشیف جیسا آمر مطلق ہو یا امریکی حکومت جیسا جمہوری ادارہ' دونوں میں قانون سازی کے اختیارات لامحدود ہوں گے۔ سیکولر گورنمنٹ کی بنیادی خصوصیت ہی یہ ہے۔ وہ' نہ کسی غیر متبدل اصول کی پابند ہو' نہ کسی ناقابل تغیر اخلاقی شرائط سے مشروط۔ وہ جس قسم کا جی چاہے قانون بنائے اور جب جی چاہے اس میں ترمیم کر دے یا اسے منسوخ ہی کر دے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں' ہر مملکت ایسے قوانین مرتب کرے گی جو اس مملکت کے لیے فائدہ مند ہوں۔ اسے باقی دنیا میں بسنے والے انسانوں کے مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ (Romelin) نے ٹھیک کہا تھا کہ

"مملکت کا بنیادی فریضہ اپنے مفاد کا تحفظ اور اپنی قوت کی نشوونما ہے۔ اسے کسی دوسری مملکت کا خیال صرف اس صورت میں رکھنا چاہیے جبکہ اس سے اس کے اپنے مفاد کے خلاف زد نہ پڑتی ہو۔"

ان حالات میں جو بین الاقوامی فساد برپا ہوسکتا ہے' وہ ظاہر ہے۔

حکومت میں جو پارٹی برسر اقتدار آئے گی' وہ ایسے قوانین بنائے گی جن سے اس جماعت کے مفادات کا تحفظ ہوسکے جس کی وہ نمائندگی کرتی ہے۔ خواہ دوسری پارٹیوں کے مفاد پر اس کی زد کیسی ہی کیوں نہ پڑے۔ جب اس کی جگہ دوسری پارٹی حکومت آئے گی تو وہ پہلی پارٹی کے وضع کردہ قوانین کو منسوخ کر دے گی اور ایسے جدید قوانین مرتب کرے گی۔ جن سے اس کی پارٹی کے مفاد کا تحفظ ہو۔ اس سے خود ملک کے مختلف جماعتوں اور طبقات میں جس قدر فساد برپا ہوگا اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس تصور حیات کے تحت' ملک کے قانون کی پابندی صرف وہ شخص کرے گا جسے اس کا احساس ہو کہ قانون کی خلاف ورزی سے:

الف) وہ سوسائٹی میں بدنام ہو جائے گا۔

ب) پولیس کی گرفت میں آجائے گا اور

ج) عدالت اسے سزا دے دے گی۔

اگر کوئی شخص ایسا انتظام کرلے کہ وہ خلاف ورزی قانون سے پولیس کی گرفت میں نہ آسکے اور اگر وہ پکڑا بھی جائے تو عدالت سے چھوٹ جائے۔ نیز معاشرہ میں وہ ایسا بااثر ہو کہ کوئی شخص اس کے خلاف لب کشائی نہ کرسکے۔ یا معاشرہ میں جرائم اس قدر عام ہو جائیں کہ جرم کا ارتکاب باعث ذلت ہی نہ سمجھا جائے' تو اس کے بعد کوئی جذبہ محرکہ ایسا نہیں رہے گا جس کے تحت' قانون کی پابندی یا اس کا احترام باقی رہ سکے۔ چنانچہ آج کل تمام مہذب ممالک میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ ہر جگہ جرائم بڑھتے جاتے ہیں اور جرائم کے انسداد کا علاج' ارباب نظم و نسق کی سمجھ میں اس کے سوا کچھ نہیں آتا کہ پولیس کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے۔ چنانچہ جرائم کی کثرت اور پولیس کے اضافہ کی رفتار میں مسلسل دوڑ (Race) جاری رہتی ہے۔ یہ تو کسی مملکت میں بھی ممکن نہیں کہ ہر شخص کے سر پر ایک سپاہی مسلط رہے۔ اس لیے جرائم کی روک تھام ناممکن ہو چکی ہے۔ ان حالات میں آپ سوچئے کہ کیا دنیا میں کوئی مملکت بھی ایسی ہوسکتی ہے جس کا نظم و نسق صحیح خطوط پر قائم رہ سکے اور کوئی پارٹی بھی ایسی ہوسکتی ہے کہ اقتدار اس کے ہاتھ میں آئے اور وہ اپنے فائدے کی نہ سوچے۔ یہ ہیں اس مادی تصور حیات کے فطری نتائج جس پر تہذیب مغرب کی اساس و بنیاد ہے'

اس کے برعکس قرآن کی رو سے تصور حیات یہ ہے کہ

الف) انسان صرف طبیعی جسم سے عبارت نہیں۔ جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے جسے انسانی ذات کہتے ہیں۔ انسانی ذات کی نشوونما' مقصد حیات ہے۔

ب) جس طرح خارجی کائنات کے لیے خدا کے متعین

کردہ قوانین از خود موجود ہیں۔ وہ انسانوں کے وضع کردہ نہیں' نہ ہی انسان ان میں تغیر و تبدل کرسکتا ہے۔ اسی طرح انسان کی تمدنی زندگی کے لیے بھی ابدی اصول متعین ہیں جن میں کوئی انسان یا انسانوں کی جماعت کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کرسکتی۔

ج) خدا کے مقرر کردہ قوانین کی خلاف ورزی کی سزا کا انحصار اس پر نہیں کہ اگر جرم کرنے والے کو کوئی شخص دیکھ لے یا اسے گرفتار کرلے' تو اسے اس کی سزا ملے اور اگر ایسا نہ ہو' تو وہ سزا سے بچ جائے۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ آگ میں انگلی ڈالنے سے انگلی جل جائے گی اور اس میں سخت تکلیف ہوگی۔ اس میں صورت یہ نہیں---- کہ اگر کوئی شخص آپ کو آگ میں انگلی ڈالتے ہوئے دیکھ لے تو آپ کی انگلی جلے اور اس میں تکلیف ہو اور اگر اسے کوئی دیکھنے نہ پائے تو آپ اس "جرم" کی سزا سے بچ جائیں۔ یہ سزا آپ کو بہرحال مل کر رہے گی۔ خواہ آپ اس کا ارتکاب پہاڑ کی چوٹی پر یا زمین کے غار کے اندر' تنہائی میں بھی کیوں نہ کریں۔ اسے خدا کا قانون مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔

جس طرح طبعی قوانین کی خلاف ورزی کا اثر انسان کے جسم پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کا اثر انسان کی ذات پر پڑتا ہے یعنی جس طرح سنکھیا کھانے سے انسان کی جسمانی زندگی ختم ہو جاتی ہے اسی طرح حرام کا مال کھانے سے اس کی ذات تباہ ہو جاتی ہے۔ جس طرح آگ کے غلط استعمال سے ہاتھ جل جاتا ہے اسی طرح اختیارات کے غلط استعمال سے انسانی ذات کی صلاحیتیں جھلس جاتی ہیں۔ اسے جہنم کا عذاب کہا جاتا ہے۔ جس طرح سنکھیا اپنا ہلاکت آفرین اثر کرکے رہتا ہے خواہ آپ اسے بند کمرے کے اندر' ایسے وقت میں کھائیں جب کہ آپ کو دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔ اسی طرح مال حرام اپنا تباہ کن اثر کرکے رہتا ہے خواہ اس کا کسی کو علم ہوسکے یا نہ۔

سَوَآءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ (13:9-11)

اس کے لیے برابر ہے خواہ تم میں سے کوئی بات کو چھپائے یا اسے بلند آواز سے کہے۔ خواہ وہ رات کی تاریکیوں میں کچھ کرے یا دن کی روشنی میں چلے۔ اس کے آگے اور پیچھے ایسے پاسبان لگے ہوئے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے اور اس کی ہر نقل و حرکت اور قول و عمل کو ریکارڈ کرتے رہتے ہیں۔ وہ ریکارڈ کبھی ضائع نہیں ہوسکتا۔ یہ ریکارڈ ہر انسان کی گردن میں لٹکا رہتا ہے۔

وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ (17:13)

جہاں تک طبعی قوانین کا تعلق ہے' ان کا نقصان صرف اس وقت پہنچتا ہے جب ان کی خلاف ورزی عمل میں آجائے۔ آپ ہزار مرتبہ دل میں خیال کریں کہ جب آپ کے سامنے آگ آئے گی تو آپ اس میں کود جائیں گے۔ اس سے آپ کے جسم پر ذرا بھی آنچ نہیں آئے گی۔ آپ کا جسم اس وقت جلے گا جب آپ عملاً" آگ میں کود جائیں گے۔ لیکن جہاں تک اخلاقی اقدار کا تعلق ہے' ان کی خلاف ورزی کا نقصان ارادہ کرنے سے بھی پہنچ جاتا ہے۔ آپ کسی کے ہاں بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ وہ ذرا اندر جائے اور آپ اس کا قلم اڑا لیں۔ آپ دیر تک اسی خیال میں بیٹھے رہتے ہیں لیکن (آپ کی بدقسمتی کہ) وہ اٹھ کر اندر نہیں جاتا۔ آپ بالآخر تھک کر ناکام چلے آتے ہیں۔ آپ نے چوری نہیں کی۔ دنیا کا کوئی قانون آپ سے مواخذہ نہیں کرسکتا لیکن اخلاقی اقدار کے قانون کی رو سے آپ کی ذات کو اس ارادہ سے بھی سزا مل جائے گی کہ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (40:19)۔ وہ نگاہ کی خیانتوں اور دل کے ارادوں تک سے واقف ہوتا ہے۔ دنیاوی جرائم کی عدالت میں اگر مجرم کے خلاف شہادت یا ثبوت نہ ملے' تو وہ چھوٹ جاتا ہے لیکن اخلاقی اقدار کی عدالت میں' نہ کسی خارجی ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے نہ باہر کے گواہ کی۔ وہاں ہر مجرم' اپنے خلاف خود گواہی دیتا اور ثبوت پیش کرتا

ـــے۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ (17:14)- "
... ... ذات تیرا حساب لینے کے لیے کافی ہے۔" پھر
... ... میں ہاتھ ڈالنے کے بعد' گورنر جنرل کی سفارش
... آپ کو اس کے درد سے محفوظ نہیں رکھ سکتی اور لاکھ
... رشوت بھی آپ کو اس تکلیف سے بچا نہیں سکتی۔
... کوئی دوسرا آپ کی جگہ وہ دکھ بھگت سکتا ہے۔ اسی طرح
مستقل اقدار کی خلاف ورزی کی سزا سے کسی صورت چھٹکارا
نہیں ہو سکتا۔

يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝
-(2:48)

اس میں نہ کوئی شخص کسی دوسرے کے کسی کام آ سکے گا۔ نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی۔ نہ کچھ معاوضہ لے کر اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ نہ ہی اس کا کوئی حامی و ناصر ہو گا۔

قرآن کی مثالی حکومت کا نظم و نسق ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو گا جن کا خدا کے اس قانون مکافات پر پورا پورا یقین ہو' اس پر ان کا ایمان ہو۔ جنہیں یقین محکم ہو کہ اقدار انسانیت کی خلاف ورزی سے ان کی ذات کا نقصان ہو گا اور یہ نقصان دنیاوی فوائد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ جس طرح عام مملکت کا نظم و نسق ان لوگوں کے ہاتھ میں نہیں دیا جاتا۔ جنہیں اپنے نفع نقصان کا بھی ہوش نہ ہو۔ اسی طرح اس مثالی حکومت کا انتظام بھی ان لوگوں کو نہیں سونپا جاتا جنہیں اپنی ذات کے نفع نقصان کا خیال نہ ہو۔ ایسے لوگ اس کے اہل ہی تصور نہیں کئے جاتے۔ وہ اس کے لیے (Disqualify) ہو جاتے ہیں۔

کہہ دیا جائے گا کہ کرنے کو تو اس قسم کا اقرار ہر شخص کر لیتا ہے لیکن ان باتوں کو عمل میں کوئی نہیں لاتا۔ اس لیے بات پھر وہیں آ جاتی ہے کہ اس کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ لوگ اپنے ایمان کے مطابق عمل بھی کریں گے۔ اس کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایمان کہتے کسے ہیں؟ آپ آگ میں ہاتھ کیوں نہیں ڈالتے؟ اس لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے آپ کا ہاتھ جل جائے گا اسی کو ایمان کہتے ہیں۔ ایمان طبعی قوانین کے متعلق ہے۔ مستقل اقدار کے متعلق بھی جس کا ایمان اس قسم کا ہو' اسے ایمان والا کہا جائے گا۔ اس قسم کے ایمان کے بعد ممکن نہیں کہ انسان زبان سے کچھ کہے اور عمل اس کے خلاف کرے جو شخص جانتا ہے کہ سنکھیا مہلک ہوتا ہے اس کی یہ کیفیت کبھی نہیں ہو سکتی کہ وہ زبان سے تو سنکھیا کو مہلک کہے لیکن جب سنکھیا سامنے آئے تو اسے جھٹ سے نگل لے۔ وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا۔ بڑی سے بڑی رشوت بھی اسے اس پر آمادہ نہیں کر سکے گی۔ مال و دولت کا عظیم نقصان بھی اسے اس کے لیے تیار نہیں کر سکے گا۔ وہ سب کچھ برداشت کرے گا لیکن سنکھیا نہیں کھائے گا۔ اسے کہتے ہیں سنکھیا کی ہلاکت آفرینی پر ایمان۔ اس سے کم درجے کا اقرار' ایمان کہلاتا ہی نہیں۔

یہ بنیادیں جن پر اس مثالی حکومت کی عمارت استوار ہوتی ہے' قرآن کی اصطلاح میں' دین کے اجزا کہلاتے ہیں جب مملکت دین کے تابع رہے تو نوع انسان کے لیے آیہ رحمت ہوتی ہے۔ اور جب دین سے الگ ہو جائے تو تباہیوں کا موجب۔ طرز حکومت کے بدلنے سے اس میں کچھ فرق نہیں آتا۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہ مثالی مملکت قائم ہوتی ہے' مستقل اقدار کی بنیادوں پر اور اس کی بقاء کا راز' اس غیر متبدل ابدی اصول میں ہوتا ہے۔

مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ۗ (13:17)

بقاء اسی عمل کے لیے ہے جو تمام نوع انسان کے لیے منفعت بخش ہو۔

کسی خاص جماعت' خاص پارٹی' خاص گروہ' خاص قوم کے لیے نفع بخش نہیں بلکہ پوری کی پوری انسانیت کے لیے نفع

بخش۔ حتی کہ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی کوئی تمیز نہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اس مملکت کی نفع رسانیوں سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ اس میں غیر مسلموں کی جان' مال' عزت' آبرو ہی کی حفاظت نہیں بلکہ ان کی پرستش گاہوں تک کی حفاظت بھی مملکت کا فریضہ ہوتی ہے۔ اور ہر ایک کے معاملات عدل و انصاف کی رو سے طے پاتے ہیں حتی کہ دشمن کے ساتھ بھی عدل کیا جاتا ہے کیونکہ اس حکم کی تعمیل اس کا فریضہ ہوتا ہے کہ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (5:8) "کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے عدل نہ کرو۔ ہمیشہ عدل کرو کہ یہی روش تقوی سے قریب تر ہے۔

پروفیسر (J.D.Mabbott) نے کہا تھا کہ "اچھی حکومت اسے کہنا چاہیے جس میں تمام افراد کی حفاظت ہو۔ کسی کو کسی سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ ہو۔ باہمی معاملات میں خوش گواری ہو اور افراد کے تنازعات کے فیصلے عدل کی رو سے کیے جاسکیں۔

(The State And The Citizens)

قرآنی تصور کے مطابق قائم شدہ مملکت' ان تمام شرائط پر پورا اترتی ہے۔ یہی وہ مملکت ہوتی ہے جس کے انسانیت ساز اور زندگی بخش نتائج سے دنیا دیکھ لیتی ہے کہ ذہن انسانی کے تجویز کردہ نظام حکومت اور وحی کے خطوط پر متشکل مملکت میں کیا فرق ہوتا ہے۔ وہی فرق جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا کہ مملکت

لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ
۲۵ سالہ تجربہ کار
کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔
۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۸۳۷
فیکس نمبر:- ۲۴۱۹۷۸۲
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

اِلٰہ

اسلام کا ضابطہ آئین قرآن ہے اور قرآن کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے الفاظ کا مفہوم خود متعین کر دیتا ہے۔ اسی لیے وہ کتاب مبین ہے' مذہبی منتروں کی کتاب نہیں ہے لیکن جب قرآن کا دین "مذہب" میں تبدیل ہو گیا تو اس کے الفاظ باقی رہ گئے لیکن ان کا مفہوم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اب حالت یہ ہے کہ ہم صبح سے شام تک یہ الفاظ دہراتے رہتے ہیں لیکن کبھی نہیں سوچتے کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ ان صفحات میں ایسی ہی منتخب اصطلاحات اور الفاظ کا مفہوم' جو زبان زد عام ہیں' قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس بار قارئین کی فرمائش پر اللہ کا مفہوم پیش خدمت ہے۔ (مدیر)

اَلِہَ اِلَیْہِ یَاْلَہُ کے معنی ہیں گھبرا کر اس کی پناہ ڈھونڈنا۔ نیز اَلِہَ کے معنی ہیں متحیر ہونا اور اَلَہَ۔ یَاْلُہُ کے معنی ہیں کسی کو پناہ دینا۔ امان میں لینا۔ چنانچہ اَلِہَ بِالْمَکَانِ کے معنی ہیں امن و سکون سے کسی مکان میں سکونت اختیار کر لینا۔ ان معانی کے اعتبار سے اِلٰہٌ کے معنی ہونگے ایسی ہستی جس سے خطرات میں پناہ حاصل کی جائے۔ جس سے مشکلات دور کرنے کی استدعا کی جائے اور جس کی عظمت و بلندی کے تصور سے انسان متحیر ہو جائے۔

بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ لفظ لَاہَ یَلِیْہُ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند مرتبہ ہونا اور نگاہوں سے پوشیدہ ہونا ہیں۔ (تاج) (محیط)

بعض کہتے ہیں کہ اَلَہَ کے معنی ہیں وہ شخص غلام بن گیا اور اَلَّھَہٗ کے معنی ہیں اس نے اسے غلام بنا لیا۔ اس سے تَاْلِیْہٌ کے معنی تَعْبِیْدٌ (غلام بنانا) آتے ہیں اور اِلٰہٌ اسی سے ہے جو دراصل بمعنی مفعول مَاْلُوْہٌ ہے۔ (تاج) (جیسے کِتَابٌ بمعنی مَکْتُوْبٌ ہے)۔ اس اعتبار سے اِلٰہٌ کے معنی ایسی ہستی ہونگے جس کا غلبہ و اقتدار قبول کیا جائے۔ جس کے قانون کی اطاعت کی جائے۔ جس کے حکم کا اتباع کیا جائے۔ اہل فارس نے اس کے بنیادی معنی تَعْبِیْدٌ کے لکھے ہیں۔ یعنی کسی کی محکومیت اختیار کرنا۔ چنانچہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰھًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (26:29)- (اگر تو نے میرے سوا کسی کو الٰہ تسلیم کیا تو میں تجھے قید کر دونگا) تو وہاں اِلٰہٌ کے معنی صاحب اقتدار ہی کے ہیں۔ اسی طرح جہاں کہا گیا ہے اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ (25:43)- "کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا اِلٰہ بنا لیا"۔ تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ اپنے جذبات ہی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ انہی کا اقتدار تسلیم کرتا ہے۔ وہ اپنے جذبات کا بندہ بن چکا ہے۔ اسی طرح جہاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ (43:84)- "وہی ہے جو کائنات کی بلندیوں میں بھی الٰہ ہے اور پستیوں میں بھی"۔ (یا جو کائنات اور معاشی دنیا میں الٰہ ہے)۔ تو اس کے معنی بھی صاحب اقتدار کے ہیں۔ یعنی کائنات میں بھی اقتدار و اختیار اسی کا ہے اور انسان کی معاشی اور معاشرتی دنیا میں بھی اسی کا۔

چونکہ توہم پرستی کے زمانہ میں لوگ چاند سورج وغیرہ کو بھی بڑی بڑی قوتوں کا مالک مان کر ان کی پرستش کرتے تھے اس لئے اِلَاھَۃٌ کے معنی چاند ہیں اور اِلٰھَۃٌ کے معنی سورج۔ اسی نہج سے ہر معبود کو الٰہ کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بتوں کو بھی جن

کی پرستش کی جاتی ہے (7:138)۔

ایک خیال یہ ہے کہ اللہ جامد لفظ ہے (کسی دوسرے لفظ سے نکلا نہیں) لیکن دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ لفظ اَلْاِلٰہ تھا (اَلْ - اِلٰہْ)۔ کثرتِ استعمال سے الٰہْ کا ہمزہ گر گیا اور پہلا لام دوسرے لام میں مدغم ہو گیا۔ اس طرح یہ لفظ "اللہ" بن گیا۔ (تاج)

قرآن کریم میں "اللہ" خدا کی ذات کیلئے استعمال ہوا ہے۔ باقی تمام اسماء (نام) اس کی صفات ہیں۔

لہٰذا' اللہ' (قرآنی اِلٰہْ) وہ بلند و بالا ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جس کی عظمتوں کے سامنے انسانی عقل و ادراک متحیر رہ جاتے ہیں۔ جس کا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے۔ جس کی اطاعت نہایت ضروری ہے۔ لیکن ہم اس کی اطاعت اس کے اس قانون کی رو سے کرسکتے ہیں جو اس نے اپنی طرف سے (بذریعہ وحی) ہمیں دیا ہے (اور جو اب قرآن کریم میں محفوظ ہے)۔ لہٰذا اَطِیْعُوا اللّٰہ کے معنی ہونگے خدا کے قانون کی اطاعت کرو۔ اسی طرح کائنات میں بھی جو کچھ ہوتا ہے سب اسی کے قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم میں جہاں یہ آئے گا کہ "اللہ یوں کرتا ہے" تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ کے قانون کے مطابق اس طرح ہوتا ہے۔ عالمِ امر میں بھی اسی کا قانون کارفرما ہے اور عالمِ خلق میں بھی۔ یہ قوانین اس نے اپنی مشیت سے بنائے ہیں اور اسی کی قدرت (کنٹرول۔ قبضہ۔ اختیار) سے یہ قوانین نافذ العمل اور کارفرما ہیں۔ یہی وہ سُنَّۃُ اللّٰہ ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

تمام قرآن' اللہ تعالیٰ کی صفات' اس کے قوانین' احکام' حکمتِ بالغہ اور ہدایات کا مجموعہ ہے۔ اس کی ساری تعلیم کا نقطۂ ماسکہ اللہ کی وحدانیت ہے۔ یعنی اس حقیقت کا اعلان و ایمان کہ کائنات میں اقتدار و اختیار صرف اسی کا ہے۔ اس کے سوا کسی کا نہیں۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے' ہم اس کی ماہیت اور کیفیت کے متعلق کچھ نہیں جان سکتے۔ محدود (Finite) کسی لا محدود (Infinite) کا ادراک نہیں کر سکتا۔ البتہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی جن صفات (الاسماء الحسنیٰ) کا ذکر کیا ہے ہم ان سے خدا کے متعلق (اپنی حدود ذہنی کے اندر رہتے ہوئے) اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ پر وہی ایمان قرآن کریم کی رو سے صحیح ایمان ہے جو قرآن میں بیان کردہ صفات کے مطابق ہو۔ اس لئے دنیا میں جو لوگ اپنے اپنے طور پر خدا کو مانتے ہیں انہیں قرآن کی رو سے "اللہ پر ایمان رکھنے والے" نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بڑی اہم حقیقت ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ "خدا پرستی اور نیک عملی" وہی درست ہے جو قرآنی تعلیم کے مطابق ہو نہ کہ وہ جو مختلف افراد' قوم یا مذہب کے اپنے اپنے تصور کے مطابق ہو۔

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں =/180 روپے فی جلد علاوہ محصول ڈاک' دستیاب ہیں۔

ء72 - ء73 - ء75 - ء76 - ء77 - ء78 - ء83 - ء84 - ء85 - ء86 - ء87 - ء88

ء91 - ء94 - ء95 - ء96 - ء97 - ء98 -

(ناظم ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابو شہاب رفیع اللہ

منکرینِ حدیث کون ہیں؟

طلوع اسلام کے خلاف یہ اعتراض آپ نے عام طور پر سنا ہو گا کہ یہ منکر حدیث ہے۔ اس انکار حدیث کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جو حدیث قرآن کریم کے خلاف ہو یا اس سے حضورؐ یا صحابہؓ کبار کی سیرت پر کسی قسم کا طعن پڑتا ہو' طلوع اسلام کہتا ہے کہ وہ حدیث رسولؐ اللہ کی ہو نہیں سکتی۔ حضورؐ کی طرف اس کی نسبت غلط ہے یعنی طلوع اسلام حدیث کا انکار نہیں کرتا بلکہ غلط حدیث کے متعلق کہتا ہے کہ وہ رسولؐ اللہ کی حدیث نہیں ہو سکتی اس کے برعکس ہمارے علماء کرام ہیں کہ وہ قبیح حدیث ہونے کے مدعی ہیں لیکن کیفیت یہ ہے کہ جن حدیثوں کو وہ خود صحیح تسلیم کرتے ہیں' ان کا عمل ان کے خلاف ہے اور اتباع ان حدیثوں کا کرتے ہیں جو خود محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ اس سے آپ اندازہ فرمایئے کہ فی الحقیقت منکر حدیث کون ہے؟ محترم ابو شہاب رفیع اللہ صاحب نے بڑی کاوش و تحقیق سے ان حضرات کے اس عملی انکار حدیث کی نقاب کشائی کی ہے اس سے ان کا (اور طلوع اسلام کا) مقصد ایک ایسی علمی تحقیق ہے جس کا عمل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ امید ہے قارئین ان کی اس کاوش کو مفید پائیں گے۔ (مدیر)

اصطلاح میں حدیث شریف کی مختصر تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کا قول یا عمل ہے یا کوئی ایسا کام جو آپؐ کی موجودگی میں کیا گیا ہو اور آپ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو۔ حضور ﷺ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ کے یہ تمام اقوال و افعال سینکڑوں برس تک زبانی امت تک پہنچتے رہے۔ ان اقوال و افعال کو اس طرح روایت کرنے والوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو گئی جن میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ جس کی وجہ سے احادیث میں بہت سا رطب و یابس جمع ہو گیا۔ اس رطب و یابس کو علیحدہ کرنے کے لئے ائمہ آگے بڑھے اور انہوں نے برسوں کی محنت سے ان تمام حدیث کے حالات جمع کئے۔ پھر ان کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے پر صحیح احادیث کو احادیث کی مختلف کتابوں میں ان راویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ قرار دینے کے بارے نے کچھ اصول اور درجے مقرر کئے اور ان کے مطابق صحت و ضعف کے لحاظ سے کوئی بیالیس حدیث کی قسمیں قرار دی گئیں۔ تاہم ان میں سب سے بڑی مشترک چیز راوی کا ثقہ یا غیر ثقہ ہونا تھا۔ جس پر ابھی تک عمل ہوتا چ آرہا ہے۔

دوسری صدی ہجری میں جب فقہ کو مرتب کیا گیا تو عرا کے فقہاء یعنی فقہاء احناف نے بعض مسائل میں اپنی را سے فیصلے دیئے جو بعض صورتوں میں صحیح احادیث کے مخالف تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان میں اور ائمہ اہل حدیث اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ ان کو اہل رائے کے نام سے پکار لگے۔ یہ اختلاف ابھی تک چلا آرہا ہے لیکن صرف چند فر مسائل تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ مثلاً رفع الیدین' آمین وغیرہ۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے' ہماری تحقیق کے م ان مسائل میں صحیح احادیث سے اہلحدیث کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اور ان کے مقابلے میں جو احادیث

حضرات کی طرف سے پیش کی گئی ہیں' ان کا حدیث کی کتابوں میں کہیں وجود تک نہیں۔

لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جہاں ان فروعی مسائل میں احادیث کی حمایت میں خوب بحث مباحثے کئے جاتے ہیں وہاں عملی زندگی کے بڑے بڑے مسائل میں ان تمام حضرات کا (خواہ وہ حنفی ہوں یا اہلحدیث) اپنا عمل' صحیح احادیث کے خلاف ہوتا ہے۔ قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ آج اکثر بڑے بڑے عملی مسائل میں صحیح احادیث کے خلاف عمل ہو رہا ہے لیکن حامیان حدیث کو کبھی اس کا احساس تک نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ آج حدیث شریف کو کچھ نئے "حامی" بھی مل گئے ہیں جو خود تو اکثر معاملات کے مسائل میں صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں لیکن عامتہ الناس کو بے وقوف بنانے' اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو منکرین حدیث کے پروپیگنڈے کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ حضرات اپنی اس چال میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں یہاں تک کہ کچھ اہلحدیث اہل علم تک ان کے فریب میں آچکے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان معاملات کے مسائل کی فہرست قارئین کے سامنے لائیں جن میں صحیح احادیث کا علی الاعلان انکار کیا جاتا ہے۔ تاکہ عامتہ الناس کو یہ معلوم ہو سکے کہ منکرین حدیث کون ہیں اور یہ کہ حدیث شریف تک کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔

ان عملی مسائل کی فہرست اگرچہ خاصی طویل ہے۔ لیکن ان میں سے ہم مندرجہ ذیل تیس اہم مسائل کے بارے میں تفصیلات پیش کریں گے جو انشاء اللہ حدیث شریف کے بارے میں دو رخی رویہ رکھنے والوں کو بے نقاب کرنے کے لئے کافی ثابت ہو نگی۔

(1) عبادت پر اجرت لینا۔ (2) تعویذ اور گنڈے۔ (3) دم یا جھاڑ پھونک۔ (4) نذر ماننا۔ (5) زکوٰۃ کی وصولی کے حقدار۔ (6) کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ۔ (7) اضحیہ یا قربانی۔ (8) حج میں قربانی۔ (9) عیدین کے خطبے۔ (10) محراب مسجد۔ (11) شادی سے پہلے منسوبہ کو دیکھنا۔ (12) ولی کے بغیر نکاح۔ (13) مسئلہ کفایت۔ (14) اعلان النکاح۔ (15) تعدد ازدواج۔ (16) نکاح شغار۔ (17) طلاق و خلع۔ (18) طلاق بدعت۔ (19) بچوں کی تربیت۔ (20) ضبط ولادت۔ (21) کثرت امت۔ (22) مخابرہ۔ (23) مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ۔ (24) ربٰو الفضل۔ (25) حرمت شراب۔ (26) شراب اور سرکہ۔ (27) بادشاہ کے خدائی حقوق۔ (28) موسیقی کی حلت و حرمت۔ (29) انکار حدیث کی سب سے خطرناک صورت۔ (30) انبیاء کے وارث۔

(1) عبادات پر اجرت لینا: احادیث میں عبادات پر اجرت لینے سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے۔ سنن ابوداؤد' سنن نسائی' اور مشکوٰۃ المصابیح میں ایک حدیث ان الفاظ میں آئی ہے۔

عن عثمان ابن ابی العاص قال قلت یا رسول الله صلی الله علیه وسلم اجعلنی امام قومی تال انت امامهم و اقتد باضعفهم و اتخذ موذنا لا یاخذ علی اذانه اجرا۔

حضرت عثمان بن ابو العاصؓ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے اپنی قوم کا امام بنا دیجئے۔ آپ نے اس کی منظوری دے دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ کمزوروں کا خیال رکھنا اور ایسا موذن مقرر کرنا جو اجرت نہ لے۔

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ لیکن چونکہ ائمہ فقہ کو بھی اس مسئلہ سے اتفاق ہے' اس لئے ان تمام احادیث کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقہ کی ایک عام کتاب قدوری تک میں یہ فیصلہ موجود ہے۔

لا یجوز الاستیجار علی الاذان و الامامة و تعلیم القران والحج ۔(قدوری' کتاب الاجارہ۔ ص ۱۵۴)

(ترجمہ) اذان' امامت نماز۔ تعلیم القرآن اور حج پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

تعلیم القرآن کی اجرت کے بارے میں جمہور فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور بعض اسے جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے بعض احادیث کے اشارات سے تائید حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ ائمہ احناف اسے بھی ہر صورت میں ناجائز سمجھتے ہیں لیکن آج ہمارے ہاں کی لاکھوں مساجد کے ائمہ اور موذن ان احادیث کے خلاف نماز پڑھانے وغیرہ کی اجرت وصول کرتے ہیں۔

(2) **تعویذ اور گنڈے:** بعض احادیث میں دم کرنے کرانے کی بڑی محدود سی اجازت ملتی ہے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ لیکن جہاں تک تعویذ وغیرہ لکھنے کا تعلق ہے اس کی اجازت تو کجا' احادیث میں اس کی واضح ممانعت آئی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی تائید میں کوئی جھوٹی حدیث بھی نہیں ملتی۔ اس کے شرک ہونے کے بارے میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔

قال سمعت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم يقول ان الرتى و التمائم و التولة شرک۔ رواه احمد و ابوداؤد و ابن ماجه۔ و التولة ضرب من السحر قال الا صمعی هو تحبب المراة الی زوجها۔ نیل الاوطار۔ جلد 8۔ صفحہ 818۔

(ترجمہ) فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ دم کرنا' اور گنڈے تعویذ شرک ہیں۔ یہ حدیث مسند احمد' ابو داؤد' اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور تولہ (جس میں گنڈے اور تعویذ دونوں کا مفہوم شامل ہے) جادو کی ایک قسم ہے اصمعی کہتے ہیں کہ اس عمل سے عورت خاوند کی محبت جیت جاتی ہے۔

ائمہ حدیث کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ چنانچہ علامہ شوکانی نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے حاکم نے بھی روایت کیا ہے' اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تمائم کی تفسیر علامہ شوکانی یوں فرماتے ہیں۔

هی خرزات كانت العرب تعلقها على اولادهم يمنعون بها العين فی زعمهم فابطله الاسلام۔

(ترجمہ) یہ کوڑیاں تھیں جنہیں عرب اپنے بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے بطور تعویذ استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے اس فعل کو باطل قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار۔ جلد 8 ص 818۔

اور **التولة** جس میں گنڈا اور تعویذ دونوں کا مفہوم شامل ہے' کی عملی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ سے یوں مروی ہے جسے حاکم اور ابن حبان نے بروایت صحیح بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن مسعودؓ نے اپنی بیوی کے گلے میں ایک تعویذ دیکھا تو اسے کھینچ کر کاٹ دیا اور فرمایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا تھا کہ دم کرنا اور گنڈے تعویذ سب شرک ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ دم کرنا اور تعویذ باندھنا تو معلوم چیزیں ہیں لیکن یہ **"التولة"** کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جادو ایسی چیز ہے جسے عورتیں مردوں کی محبت حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتی ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک دھاگہ ہوتا ہے جس پر جادو وغیرہ پھونکا جاتا ہے یا کاغذ پر لکھا جاتا ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کی محبت حاصل کر سکیں۔ ایضاً

گنڈے اور تعویذ کا یہ تمام کاروبار ہمارے ہاں ان تفصیلات سے بھی زیادہ اور بڑے وسیع پیمانے پر مروج ہے' بلکہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اکثر جاہل عوام جو عام طور پر نماز تک کے کبھی قریب تک نہیں گئے صرف انہی چیزوں کی خاطر مولویوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

صحیح احادیث کے مقابلے میں یہ "کاروبار" دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے لیکن کبھی کسی صاحب علم نے اس کی طرف انگلی تک نہیں اٹھائی۔

(3) **دم یا جھاڑ پھونک:** مذکورہ بالا حدیث میں دم کرنے کرانے کی بھی ممانعت ہے لیکن دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے' کہ حضور ﷺ نے صرف تین صورتوں میں اس کی رخصت

دی تھی-

عن انس قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رقیۃ من العین و الحمۃ و النملۃ- رواہ مسلم و احمد و الترمذی و ابن ماجہ و النملۃ قروح تخرج من الجنب- نیل الاوطار جلد 8 ص 219

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے نظر لگنے' بچھو کے کاٹے اور **نملۃ** کے دم کی رخصت دی- نملہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا تھا جو پہلو میں نکلتا تھا-

اس حدیث شریف میں "رخصت" کے الفاظ قابل غور ہیں-

بعض سلف صالحین کا فیصلہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے صرف دو امور میں اس کی رخصت دی تھی-

و قال قوم لا تجوز الرقیۃ الا من عین والحمتہ کما فی حدیث عمران بن حصین لا رقیہ الا من عین اوحمتہ- ایضاً

(ترجمہ) بعض سلف صالحین کا کہنا ہے کہ صرف دو امور یعنی نظر لگنے اور بچھو کے کاٹے میں دم کی رخصت ہے جیسا کہ حضرت عمران بن حصین کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نظر لگنے اور بچھو کے کاٹے کے علاوہ دم کرانا جائز نہیں-

ان دو صورتوں میں بھی دم کرنے کرانے کی رخصت کوئی دینی حیثیت نہیں رکھتی تھی- مسلمان' غیر مسلموں سے دم کراتے تھے- ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دو تین صورتوں میں دم کی اجازت دینے کے باوجود اس کی حوصلہ شکنی کی- ایک حدیث' جس میں بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے والے مومنین کا ذکر ہے' حضور ﷺ ایسے لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں-

فقال ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون ولا یکتوُن و علی ربھم یتوکلون- بخاری شریف کتاب الطب نمبر 79

(ترجمہ) آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دم نہیں کراتے اور نہ بدشگونی لیتے ہیں اور نہ داغتے ہیں اور اپنے پالنے والے پر بھروسہ رکھتے ہیں

اس حدیث سے واضح الفاظ میں یہ عیاں ہے کہ حضور ﷺ نے صرف دو تین صورتوں میں دم کرانے کی اجازت دینے کے باوجود اس کو پسندیدہ خیال نہ کیا- لیکن آج تو بہت سے دین داروں کا "کاروبار" اسی دم اور جھاڑ پھونک پر چل رہا ہے اور جس چیز کی احادیث میں ممانعت ہے اسے عین اسلام قرار دیا جا رہا ہے-

(4) **نذر ماننا:** عام جہالت کی وجہ سے ہمارے عوام میں یہ چیز ایک دینی رسم کی حیثیت اختیار کر چکی ہے- یہ نذر اللہ تعالیٰ کے نام پر بھی مانی جاتی ہے اور اولیاء اللہ کے نام پر بھی- ہمارے چند علماء نے اگر اس کے خلاف کوئی آواز اٹھائی ہے تو اس حد تک کہ غیر اللہ کے لئے نذر و نیاز ناجائز ہے- حالانکہ اگر صحیح احادیث کو سامنے رکھا جائے تو حضور ﷺ نے ہر قسم کی نذر ماننے سے منع فرمایا تھا- حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے-

وعن ابن عمر قال نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و الہ وسلم عن النذر وقال انہ لا یرد شیا و انما یستخرج بہ من البخیل- رواۃ الجماعۃ الا الترمذی و للجماعتہ الا ابا داؤد مثل معناہ من روایتہ ابی ھریرۃ- نیل الاوطار جلد 8 ص 149

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے منت وغیرہ ماننے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کسی چیز کو لوٹاتی نہیں- صرف بخیل آدمی سے کچھ رقم نکالنے کا سبب ضرور ہے-

آج نذر و نیاز کے جائز و ناجائز کاروبار نے جو حیثیت اختیار کر رکھی ہے اس سے قارئین اچھی طرح آگاہ ہوں گے-

(5) **زکوٰۃ کی وصولی کے حقدار:** جن مسائل کا مال و دولت سے تعلق ہے- ان میں جس طرح احادیث سے انکار کیا جاتا ہے' اس کی جھلک قارئین دیکھتے آرہے ہوں گے- زکوٰۃ اسلام

میں اسلامی حکومت کے ایک ٹیکس کی حیثیت رکھتی ہے اور اس امر پر فقہائے امت کا اجماع ہے کہ ایک اسلامی ملک میں "مال" پر زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔ علامہ شعرانی فرماتے ہیں۔

اجمع العلماء ...... علی انه لیس فی المال سوی الزکاة۔ المیزان الکبریٰ جلد ۲ ص ۸

اہل علم کا اس امر پر اجماع ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی حق نہیں ہے اور یہ زکوٰۃ وصول کرنے کا حق صرف مسلمانوں کی حکومت ہی کو حاصل ہے چاہے وہ معیاری اسلامی ہو یا نہ ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔

ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم قال انها ستکون بعدی اکثرة و امور تنکرونها۔ قالوا یا رسول الله فما تامرنا؟ قال تو ء دون الحق الذی علیکم و تسالون الله الذی لکم۔(نیل الاوطار جلد ۴)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تمہیں ایسی معاملات پیش آئیں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے۔ تو صحابہؓ نے عرض کی کہ حضورؐ! آپ ہمیں اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنا حق حکومت کو ادا کرو اور ان پر جو تمہارا حق ہے وہ اللہ تعالیٰ سے طلب کرو۔

ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ وضاحت ہے۔

عن وائل ابن حجر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه واله وسلم و رجل یساله۔ فقال ارایت ان کان علینا امراء یمنعونا حقنا ویسئلونا حقهم؟ قال اسمعوا واطیعوا فانما علیهم ما حملوا و علیکم ما حملتم۔ رواه مسلم و الترمذی و صححه'

(ترجمہ) حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا اور ایک شخص آپ سے دریافت کر رہا تھا کہ اگر حکمران ہمارے حقوق پورے نہ کریں' اور اپنا حق یعنی زکوٰۃ طلب کریں، تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہمیں، ان کی مکمل اطاعت کرنی چاہئے۔ وہ اس کے ذمہ دار ہیں جو ان پر لازم ہے اور تم کو اپنا فرض پورا کرنا ہے۔ (ایضاً)

خلافت راشدہ کے بعد جب "اسلامی حکومت" مسلمانوں کی حکومت میں تبدیل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہی احادیث کے مطابق عمل کرنے کا فتویٰ دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ زکوٰۃ کس کے حوالے کی جائے تو آپ نے فرمایا۔ "**ادفعها الی هولاء القوم یعنی الامراء**۔ (یعنی وقت کے حکمرانوں کو ادا کرو) اس شخص نے ان حکمرانوں کی عیش و عشرت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ **اذ تتخذون بها ثیابا و طیبا**۔ (کہ یہ تو زکوٰۃ کو عیش و عشرت میں اڑا دیں گے) لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے باوجود زکوٰۃ انہی حکمرانوں کو ہی ادا کرنی ہو گی۔ (ایضاً)

ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا۔

ادفعوا صد قته اموالکم الی من ولاه الله امرکم فمن بر فلنفسه ومن اثم فعلیها۔ (ایضا")

(ترجمہ) کہ تم اپنے اموال کی زکوٰۃ ان حکمرانوں کے سپرد کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر مقرر کئے ہیں جو نیکی کرے گا تو وہ اس کے لئے ہے اور جو زیادتی کرے گا وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔

دوسرے صحابہؓ بھی اسی قسم کا ہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (ایضا") حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس سے بھی زیادہ واضح ایک اور روایت ہے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

قال ادفعوها الیهم و ان شربوا الخمور۔ (ایضا")

زکوٰۃ انہی حکمرانوں ہی کو دینی ہو گی چاہے وہ شراب ہی کیوں نہ پیتے ہوں۔

مذکورہ بالا احادیث اور صحابہ کرامؓ کے فیصلوں کو نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانی جمہور علماء کا فیصلہ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

والاحادیث المذکورة فی الباب استدل بها

الجمهور علی جواز دفع الزکوٰۃ الٰی سلاطین الجور و اخبرایئھا۔ (ایضاً")

(ترجمہ) اس باب میں مذکور احادیث سے جمہور فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ زکوٰۃ ظالم بادشاہوں کو دینی جائز ہے۔

لیکن ہمارے عاشقانِ حدیث نے ان احادیث کی مخالفت میں دو عملی کا فیصلہ دے رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ حکومت کو ٹیکس ادا کرو اور زکوٰۃ غرباء کے حوالے کرو اور پھر علماء کا طبقہ ہی اپنے آپ کو غرباء میں شمار کرتا ہے اس لئے زیادہ تر زکوٰۃ کی رقم انہی کے پاس پہنچ جاتی ہے اور چونکہ اس زکوٰۃ کی رقم میں جماعت اسلامی بھی اپنا حصہ وصول کرتی ہے اس لئے وہ بھی ان احادیث کے خلاف اس قسم کا فتویٰ دینے میں باک محسوس نہیں کرتی۔ اس کے امیر کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو کہ ایک اسلامی حکومت میں زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس بھی نافذ ہوں گے۔ یہ لوگ کس طرح اپنے مفاد کے لئے احادیث کے بالکل خلاف دو عملی قائم کئے ہوئے ہیں اور پھر حیرت انگیز امر یہ کہ اسے اسلامی نظام قرار دیا جا رہا ہے۔

(6) کارخانوں اور تجارتی اداروں و غیرہ پر زکوٰۃ: اسلامی حکومت میں مالی نظام کی اس طرح دو عملی قائم کرنے کے بعد (کہ ٹیکس حکومت کو دو اور زکوٰۃ کے حقدار نادار علماء ہیں) زکوٰۃ کے سلسلے میں بڑی عنایت خسروانہ سے کام لیا گیا۔ یعنی مالداروں سے کچھ حصہ زکوٰۃ لے کر باقی اربوں روپے معاف کر دیئے۔ اس کی وضاحت اس مثال سے ہو گی۔ مثلاً اگر کسی صاحب مال کے پاس چالیس ہزار روپے نقد ہیں تو اسے سال بعد ایک ہزار روپیہ زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی۔ لیکن اگر وہ صاحب اسی رقم کا مکان یا دوکان وغیرہ خرید کر کرایہ پر اٹھا دے تو یہ زکوٰۃ بھی معاف اور سال میں جو دو تین ہزار روپیہ اسے کرایہ کی صورت میں ملے گا وہ زائد۔ ہاں وہ کرایہ کی آمدنی سے ساٹھ ستر روپے زکوٰۃ ادا کر دے۔ اس طرح صاحب مال کو زکوٰۃ دینے کی بجائے زکوٰۃ اور کرایہ کی رقم ملا کر تین چار ہزار روپے کی بچت ہو گی۔

اس فیصلے کے لئے علماء حضرات یہ دلیل پیش فرماتے ہیں۔

"کارخانوں یا فیکٹری کی مشینری اور عالیشان عمارات پر جو مولوی صاحبان زکوٰۃ کے وجوب کا انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی واضح اور اصولی ہدایات ہیں۔ پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ بوجھ لادنے والے اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہے (بحوالہ فتح القدیر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک شخص اپنے کاروبار میں جن عوامل پیداوار سے، خواہ جانور ہوں خواہ آلات و اوزار خواہ مشینیں، کام لیتا ہے ان پر زکوٰۃ نہیں۔"

اس حدیث کو پیش فرما کر ہمارے مولوی صاحبان اربوں کھربوں کی جائیداد کو، جو بڑے بڑے کارخانوں، شاندار کوٹھیوں، دوکانات یا مکانات پر مشتمل ہے، زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں جو حدیث پیش کی جا رہی ہے ان الفاظ میں اس کا حدیث کی کسی کتاب میں وجود تک نہیں۔ صاحب ہدایہ نے جو حدیث **ولیس فی العوامل و الحوامل و العلوفتہ صدقتہ۔** (کام کرنے والے اور بوجھ اٹھانے والے اور گھر پر کھلائے جانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں) پیش کی ہے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ اس حدیث کا ان الفاظ کے ساتھ حدیث کی کسی کتاب میں وجود تک نہیں۔ یہ حقیقت خود ہدایہ کے شارح علامہ ابن ہمام صاحب شرح فتح القدیر نے تسلیم کی ہے۔ امام مدینہ یعنی امام مالکؒ کے مسلک سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اس حدیث کا کوئی وجود نہیں کیونکہ وہ کسی مسئلہ کے بارے میں اس وقت تک کوئی فتویٰ صادر نہیں کرتے تھے جب تک مدینہ شریف کے کم از کم ستر اہل علم اس کے مطابق رائے نہ دیتے تھے۔ ان کا مسلک ہمارے مولویوں کے خلاف ہے۔ فرماتے ہیں۔

لا یسترط فی وجوب الزکوٰۃ النعم السوم فستجب الزکوٰۃ فیھا متی بلغت نصابا سواء کانت سائمۃ ام معلوفتہ ولو فی جمیع السنۃ ...

...سلة و غير عاملة- (الفقه على المذاهب الاربعة جلد ا)
... امام مالک کے نزدیک مویشیوں پر زکوۃ کے لئے ... میں چرنے کی کوئی شرط نہیں- چاہے انہیں سارا سال ... باندھ کر کھلایا جائے یا چراگاہوں میں چرنے کے لئے بھیجا ... اور چاہے وہ کام کے لئے ہوں یا نہ ہوں' ان سب پر زکوۃ ... ہے- جب نصاب تک پہنچ جائیں-

اب مولوی صاحبان کا پیش کردہ استدلال اس حدیث کے ... ثابت ہو جانے کی وجہ سے بے وقعت ہو جاتا ہے- اور زکوٰۃ تمام سرمایہ پر ہو گی چاہے وہ کارخانوں کی شکل میں ہو یا شاندار عمارات کی صورت میں کتنی حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے مولوی صاحبان نے ایک بالکل غیر معلوم حدیث کی بنا پر اربوں روپے کی زکوۃ معاف کر دی ہے-

(7) اُضْحِیۃ یا قربانی: اَضْحِیَۃ جو ہمارے ہاں قربانی کے نام سے مشہور ہے' کا حکم مندرجہ ذیل پانچ احادیث سے ثابت کیا جاتا ہے-

(1) **عن ابی رملة عن محنف بن سليم ان رسول الله صلی الله عليه و سلم قال بعرفة ان علے كل اهل بيت فی كل عام اضحٰی-** (المحلّٰی لابن حزم جلد ۷)

(ترجمہ) ابو رملہ مخنف بن سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے عرفات کے میدان میں فرمایا کہ ہر گھر والے پر سال میں ایک مرتبہ قربانی لازم ہے-

(2) **عن حبيب بن محنف عن ابيه انه سمع رسول الله صلے الله عليه وسلم يقول بعرفة علے كل اهل بيت ان يذبحوا فی كل رجب شاة و فے كل اضحی شاة-** (ایضاً)

(ترجمہ) حبیب بن مخنف اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو عرفات کے میدان میں یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر گھر والے پر ایک قربانی ماہ رجب میں اور قربانی حج ...

(3) **عن الحسن ان رسول الله امر بالا ضحٰی-** (ایضاً)

(ترجمہ) حضرت حسن سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے قربانی کا حکم دیا-

(4) **عن ابن المقيب عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال من وجد سعة فليضح-** (ایضاً)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک خوشحال آدمی ضرور قربانی دے-

(5) **عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلے الله عليه وسلم من وجد سعة فلم يضح فلا يقرب مصلانا-** (ایضاً)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ جس نے استطاعت کے باوجود قربانی نہیں کی تو وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے-

قربانی کے متعلق ان تمام احادیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن حزم ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ سب کی سب ضعیف ہیں- **وكل هذا ليس بشيئی** یہ ان کا کوئی ذاتی فیصلہ نہیں بلکہ ائمہ حدیث ان احادیث کے ضعیف ہونے کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں-

اما حديث محنف فعن ابی رملة الغامدی و حبيب بن محنف و كلاهما مجهول لا يدری و اما حديث الحسن فمرسل و اما حديث ابی هريرة فكلا طريقيه من رواية عبد الله بن عياش ابن عباس القتيانی فليس معرد وفا بالثقة- (ایضاً)

(ترجمہ) مخنف کی دونوں احادیث یعنی ابو رملہ الغامدی کی روایت سے اور حبیب بن مخنف کی روایت سے تو یہ دونوں مجہول الحال اور گمنام قسم کے راوی ہیں- حدیث حسنؒ مرسل ہے اور حضرت ابو ہریرۃؓ کی دونوں احادیث میں ایک راوی عبداللہ بن عیاش بن عباس القتیانی ہے جو غیر معتبر ہے-

اور تمام احادیث کو نقل ...

یہاں تک فرماتے ہیں کہ قربانی کے غیر واجب ہونے پر صحابہؓ کرام کا اجماع ہے۔

لا یصلح عن احد من الا صحابة ان الاضحیة واجبة وصح ان الاضحیة لیست واجبة (ایضاً ص 358)۔

(ترجمہ) صحابہؓ کرام میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ قربانی واجب ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے۔

بلکہ بڑے بڑے اجل صحابہؓ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تو جان بوجھ کر قربانی نہیں کیا کرتے تھے کہ کہیں لوگ اسے واجب ہی نہ سمجھ لیں۔

بلغنا ان ابابکرؓ و عمرؓ کان لا یضحیان کراھیة ان یقتدی بھما لیظن من راھما انھا واجبة (کتاب الام جلد 2)

(ترجمہ) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس خدشہ سے قربانی نہیں کیا کرتے تھے کہ کہیں لوگ انہیں ایسا کرتے دیکھ کر قربانی کو واجب ہی نہ سمجھ لیں۔

امت کے جمہور فقہاء کا فتویٰ بھی انہی احادیث اور صحابہؓ کرام کے عمل کے مطابق یہ ہے۔

یثاب فاعلھا ولا یعاقب تارکھا۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

(ترجمہ) قربانی کرنے والا ثواب کا مستحق ہے اور اسے ترک کرنے والے پر کوئی شرعی گرفت نہیں۔

لیکن ہمارے ہاں ان احادیث کے بالکل برعکس اور عمل صحابہؓ کے خلاف ہر آدمی سے قربانی کا لازمی مطالبہ کیا جاتا ہے۔

(8) **حج میں قربانی:** قربانی کے متعلق جہاں تک قرآنی حکم کا تعلق ہے' وہ یہ ہے کہ تم اسے حج کے موقعہ پر خانہ کعبہ لے جاؤ۔ (سورۃ الحج۔ 33) وہاں خود بھی کھاؤ اور بھوکے ضرورت مندوں کو بھی کھلاؤ۔ (ایضاً۔ آیت 28)۔ قرآنی تعلیمات اور خود صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی سب حاجیوں پر لازم نہ تھا بلکہ صرف صاحب استطاعت حضرات سے اس کی توقع کی جاتی تھی۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کا یہ مسلک تھا۔

عن ابراھیم وکان عمر یحج ولا یضحی وکان اصحابنا یحجون معھم الورق و الذھب فلا یضحون۔ (المحلی لابن حزم جلد 7 ص 375)

(ترجمہ) ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ حج کرتے تھے لیکن قربانی نہیں دیتے تھے۔ اس طرح ہمارے بہت سے اصحاب جو فریضہ حج ادا کرتے تھے لیکن سونا چاندی ہونے کے باوجود قربانی نہیں کرتے تھے۔

امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

و رخص مالک للحاج فی ترکھا لمنی

(ترجمہ) امام مالکؒ نے حج کرنے والے کے لئے منیٰ کے مقام پر قربانی ترک کر دینے کی رخصت دی ہے۔ لیکن آج اگر کوئی اس بات کو دہرا دے تو اس پر فوراً منکر حدیث کا فتویٰ جڑ دیا جاتا ہے۔ (ہدایۃ المجتہد جلد 1 ص 347)

(9) **عیدین کے خطبے:** عیدین کے خطبہ کے متعلق بخاری شریف اور مسلم کی ایک متفقہ حدیث یہ ہے کہ عید کے دن جب حضور ﷺ عید گاہ میں داخل ہوتے تھے تو فوراً نماز شروع کرا دیتے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کو خطبہ دیتے۔ یہ مشہور حدیث چونکہ آج بھی ہمارے مولوی حضرات تسلیم کرتے ہیں اس لئے ہم اسے نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز نماز عید تھی۔ خطبہ کے متعلق آپ کا فرمان یہ تھا کہ جس کی مرضی ہو وہ اسے سن لے اور جس کا جی چاہے چلا جائے (یعنی یہ خطبہ نماز عید کا حصہ نہیں) اس بارے میں حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

و عن عطاء عن عبداللہ بن السائبؓ قال شھدت مع النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم العید۔ فلما قضی الصلوٰۃ قال انا نخطب فمن احب ان یجلس للخطبة فلیجلس ومن احب ان یذھب فلیذھب۔ رواہ النسائی و ابن ماجہ و ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت عطاء عبداللہ بن السائبؓ سے روایت کرتے ہیں

...نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز عید ادا کی۔ نماز ختم ... کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب ہم خطبہ دیں گے پس جو ... کے لئے بیٹھنا پسند کرے وہ بیٹھا رہے اور جو جانا ... چلا جائے۔ (نیل الاوطار جلد 3 ص 324)

یعنی نماز عید کے بعد خطبہ سننا لازمی نہ تھا اور سلف ... خطبہ سے پہلے کسی امام کو ایک لفظ تک نہیں بولنے ... تے تھے۔ مروان کے زمانے میں جب لوگ عید کے بعد ان کا ... سنے بغیر چلے جاتے تھے تو اس نے عید سے پہلے لوگوں کو ... خطاب کرنے کی کوشش کی تو حضرت ابو سعیدؓ نے اسے پکڑ ... منبر سے نیچے اتار دیا۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں---

فجبذت بثوبه فجذبنی میں نے اسے کپڑوں سے کھینچ لیا ... اور اس نے مجھے کھینچ لیا۔ (ایضاً 322)

آج بھی وہی صورت حالات ہے۔ لوگ حتی المقدور ان حضرات کے خطبوں سے بھاگتے ہیں۔ لیکن ان حضرات نے حدیث کے بالکل برعکس نہ صرف نماز عید کے بعد کے خطبہ کا لوگوں کو شرعی لحاظ سے پابند کر رکھا ہے بلکہ حضور ﷺ کے فرمان کے خلاف نماز عید سے پہلے بھی لازماً لمبا چوڑا خطاب کرتے ہیں۔ قارئین ہی فیصلہ کریں کہ حضور ﷺ کے ارشادات کا انکار کون کر رہا ہے؟

(10) **محراب مسجد:** آج کل ہماری مساجد میں امام کی نماز کے لئے جو محرابیں بنی ہوئی ہوتی ہیں' ان کا صدر اسلام میں کوئی نشان تک نہیں ملتا۔ حضور ﷺ امامت کے لئے اگلی صف میں کھڑے ہوتے اور دوسری میں صحابہؓ۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقف وحدہ و یصف الصف الاول خلفه (المحلیٰ لابن حزم جلد 4 ص 239)

(ترجمہ) حضور ﷺ ایک صف میں اکیلے کھڑے ہوتے اور آپ کے پیچھے پہلی صف بنائی جاتی۔

اصل میں یہ محرابیں عیسائی عبادت گاہوں میں ہوا کرتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں مسلمانوں نے مساجد میں اس کا اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ خود اس کو ناپسندیدہ اور مکروہ فعل قرار دیتے تھے۔ ان سے منقول ہے۔

وعن علی ابن ابی طالب انه کان یکره المحراب فی المسجد۔ (ایضاً)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ مسجد میں محراب مکروہ سمجھتے تھے۔

صحابہ کرامؓ نے جب مساجد میں ان اضافوں کو دیکھا تو اسے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم مصیبت قرار دیا۔ اور فرمایا۔

وعن کعب یکون فی آخرالزمان قوم تنتقص اعمارهم یزینون مساجد هم و یتخذون لها مذابح کمذابح النصاری فاذا فعلوا ذالک صب علیهم البلاء وهو قول محمد بن الجریر الطربی وغیره۔

(ترجمہ) حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ آخری زمانے میں ایک قوم ہو گی جن کی عمریں کم ہوں گی اور وہ اپنی مساجد کو سجائیں گے اور ان میں نصاریٰ جیسی قربان گاہیں یعنی محرابیں بنائیں گے جب وہ ایسا کریں گے تو ان پر بلا نازل ہو جائے گی۔ محمد بن جریر الطبریؒ اور کئی دوسرے فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔ (المحلیٰ لابن حزم جلد 4 صفحہ 246)

لیکن آج کون سی مسجد ہے جو حضور ﷺ اور سلف الصالحین کے عمل کے بالکل الٹ محراب سے خالی ہو۔ معلوم نہیں یہ حضرات حدیث **من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد**۔ کی کیا تاویل کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری

پرویزی فرقے کی تلاش

بدقسمتی سے پاکستان میں مولوی صاحبان کا ایک طبقہ ہے جس نے اپنی زندگی کا مشن ہی یہ بنا رکھا ہے کہ طلوع اسلام کے خلاف بے بنیاد الزامات تراشے جائیں اور پھر انہیں ملک میں اس شد و مد سے پھیلایا جائے کہ لوگ اس جھوٹ کو سچ سمجھ کر طلوع اسلام کی بات سننا گوارہ نہ کریں۔ پروپیگنڈہ اگر منظم طریقے سے کیا جائے تو فی الواقع قلب ماہیت پیدا کر دیتا ہے۔ پروپیگنڈہ وہ فن ہے جس کی بنیاد اس دعوے پر ہے کہ جھوٹ کو سو مرتبہ دھرایئے' وہ سچ بن کر دکھائی دے گا۔ اشیا کی نوعیت اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کے زاویے بدل دیتا ہے جو چاہتا ہے تسلیم کرا لیتا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ میں قوم کی حالت ایسی بنا دیتا ہے **لھم قلوب لا یعقلون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا** (7:179) جیسے ہیں دل تو رکھتے ہیں' لیکن اس سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ ان کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ کان بھی رکھتے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں یہ لوگ انسان نہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔

ان صاحبان نے ایک یہ بھی الزام تراشا ہے کہ "طلوع اسلام" "پرویزی فرقے" کا رسالہ ہے۔ جب ان سے کہتے کہ "پرویزی فرقہ" کوئی نہیں ہے اور ان پر واضح بھی کیا جاتا رہا ہے کہ طلوع اسلام ایک فکری تحریک ہے' فرقہ نہیں تو پھر بھی وہ رٹ لگائے جاتے ہیں کہ نہیں! "پرویزی فرقہ" ہے اور ایسا صریح جھوٹ بولنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے بھی نہیں ڈرتے۔ اگر اس کو فرقہ نہ بتائیں تو ان کے خلاف کفر کا فتویٰ کیسے صادر کریں۔

ہر فرقہ دوسرے فرقے کو کافر' فاسق اور گمراہ ٹھہراتا ہے۔ اس ضمن میں تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء نے اپنی رپورٹ میں اپنے خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

"اس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ' سنی' دیو بندی' اہل حدیث اور بریلوی لوگوں میں سے کوئی بھی مسلم نہیں"۔

(اردو رپورٹ صفحہ 2360 شائع کردہ حکومت پنجاب)

اس تحقیقاتی رپورٹ کی روشنی میں کیا ان لوگوں کو حق حاصل ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو وہ چاہیں کفر اور جسے وہ چاہیں اسلام ٹھہرالیں؟۔

مذکورہ بالا تحقیقاتی عدالت نے اپنی رپورٹ میں مزید لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص یا تحریک یا جماعت دائرہ اسلام سے خارج ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ دعویٰ کرنے والے کے ذہن میں اس امر کا واضح تصور ہو کہ مسلم کس کو کہتے ہیں۔ تحقیقات کے اس حصہ ... اطمینان بخش نہ نکلا۔ اور اگر ایسے سادہ معاملے کے ... ہمارے علماء کے دماغوں میں اس قدر ژولیدگی ... آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ زیادہ پیچیدہ حالات ... ان کے اختلافات کا کیا حال ہو گا (اردو رپورٹ ص ...

عدالت نے حضرات علماء کرام سے پوچھا کہ ... مسلمان کی تعریف کیا ہے لیکن عدالت کے ... تعریف پر کوئی دو عالم بھی متفق الرائے نہیں ...

ے اس ضمن میں اپنی رپورٹ میں جو لکھا ہے- ملاحظہ یئے-

ن متعدد تعریفوں کو جو علما نے پیش کی ہیں' پیش نظر رکھ کر کیا ہماری طرف سے کسی تبصرے کی ضرورت ہے بجز اس کے کہ ین کے کوئی دو علماء بھی اس بنیادی امر پر متفق نہیں ہیں؟ اگر ہم اپنی طرف سے مسلم کی کوئی تعریف کر دیں جیسے ہر عالم دین نے کی ہے اور وہ تعریف ان تعریفوں سے مختلف ہو جو دوسروں نے پیش کی ہیں تو ہم کو متفقہ طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا اور اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو ختیار کر لیں تو ہم اس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے یکن دوسرے تمام علماء کی تعریف کے رو سے کافر ہو جائیں گے (ص 235)

سید ابو الاعلیٰ مودودی (مرحوم) تفہیمات حصہ دوم- نتنہ تکفیر- میں رقم طراز ہیں-

"ان اللہ کے بندوں نے (اللہ انہیں معاف فرمائے) اپنے وضع کردہ فروعی مسائل کے ساتھ اتنا اہتمام کیا کہ انہی پر ایمان کا مدار ٹھہرایا' ان کی بنیاد پر اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' بیسیوں فرقے بنا دیئے اور ہر فرقے نے ایک دوسرے کو کافر' فاسق' گمراہ' دوزخی اور خدا جانے کیا کیا کہہ ڈالا- حالانکہ کفر و اسلام کے درمیان اللہ تعالیٰ نے کتاب مبین میں ایک واضح خط امتیاز کھینچ دیا تھا اور کسی کو یہ حق نہ دیا تھا کہ اپنے اختیار سے جس کو چاہے کفر اور جس کو چاہے اسلام ٹھہرا لے... بہرحال اس نے مسلمانوں کی جماعت کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید کسی اور نے نہیں پہنچایا"-

کفر اور اسلام کی نزاع بہت پرانی ہے لیکن اس کے باوجود تم لوگوں کو معلوم ہے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں اور کافر کسے کی وجہ ہے کہ "مسلم" کی تعریف کے معاملے میں متفق الرائے نہیں ہو سکے- فلاں کی شریعت میں کہتے ہیں جو اس قسم کے عقائد رکھے جس قسم کے عقائد رکھتے ہیں جس سے وہ خود متعلق ہے- اور

جب ہر مذہب کے پیرو اپنے اپنے مذہب پر کاربند ہو جاتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام پر کاربند ہو گئے ہیں لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ تمام تصورات غلط ہیں- زندگی کا نظام تمام نوع انسانی کے لئے ایک ہی ہو سکتا ہے اور یہ نظام قرآن کریم کے اندر ہے لہٰذا **من لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاؤلٰئک هم الکافرون** (5:44)_ جو شخص یا جس قوم کے لوگ زندگی کے معاملات کے فیصلے ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق نہیں کرتے وہی کافر ہیں-

کفر اور اسلام کا معیار خود خدا کا بتایا ہوا ہے جس میں نہ شک و شبہ ہو سکتا ہے نہ تغیر و تبدل- اسی کے مطابق سمجھ لینا چاہئے کہ مسلم کون ہے اور اسلامی مملکت کسے کہتے ہیں-

طلوع اسلام اپنی ابتدا سے یہ اعلان کرتا چلا آرہا ہے کہ اسلام دنیا میں امت واحدہ پیدا کرنے کے لئے آیا ہے اور نبی اکرمؐ نے ایسی امت پیدا کر کے دکھائی تھی جس میں کوئی فرقہ نہیں تھا- قرآن کریم نے جماعت مومنین کو امت واحدہ کہہ کر پکارا ہے اور بار بار تاکید کی ہے کہ تفرقہ انگیزی اور فرقہ بندی شرک ہے- سورہ روم میں واضح طور پر کہا ہے کہ **ولا تکونو من المشرکین ○ من الذین فرقو دینھم وکانو شیعا- کل حزب بما لدیھم فرحون** (30:31-32)_

"دیکھنا تم ایمان لانے کے بعد پھر سے مشرکین میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور اس طرح فرقوں میں بٹ گئے' پھر کیفیت یہ ہو گئی کہ ہر فرقہ اس زعم باطل میں مبتلا ہو گیا کہ ہم تو حق پر ہیں اور باقی سب فرقے باطل پر" دوسری جگہ اس نے فرقہ بندی کو کفر قرار دیا (3:104-105) اور رسولؐ اکرم سے واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ دین میں فرقے پیدا کریں ان سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں (6:160)_

قرآن مجید نے کفار کی ایک بنیادی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ یہ لوگ پوری پوری کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں تک قرآن کی آواز نہ پہنچنے پائے- چنانچہ

كفرو الاتسمعوا لهذ القران ولغو فيه لعلكم تغلون (41:26)_ جن لوگوں نے کفر کا مسلک اختیار کر رکھا ہے وہ خود تو قرآن کے مخالف ہیں ہی' دوسروں سے بھی یہ کہتے ہیں کہ تم بھی اس قرآن کو نہ سنو اور جہاں اس قرآن کی طرف دعوت دی جاتی ہو ایسا شور مچاؤ کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے- یہی طریقہ ایسا ہے جس سے تم قرآنی مسلک اختیار کرنے والوں پر غالب آسکتے ہو اگر قرآن کی آواز عام ہو گئی تو تم کبھی غالب نہیں آسکو گے-

لیکن کفر کا شیوہ اختیار کرنے والے س زعم باطل میں مبتلا نہ ہوں کہ وہ قرآن کی پیروی کرنے والوں پر سبقت لے جائیں گے- یاد رکھو یہ لاکھ حربے استعمال کریں' انہیں کبھی عاجز اور مغلوب نہیں کر سکیں گے (8:59)_

ہم شروع سے علماء حضرات سے دریافت کرتے آئے ہیں کہ قرآن کریم کی روشنی میں مسلمانوں میں موجودہ فرقوں کی کیا دلیل ہے؟ ہمارا خیال تھا کہ نصوص قرآنیہ کو اس طرح اجاگر کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمارے مذہبی رہنما خدا کے خوف سے لرز اٹھیں گے اور فرقہ بندی سے تائب ہو جائیں گے- لیکن معلوم ہوا کہ مذہب کی گرفت اس قدر سخت اور ذاتی مصلحتیں اس قدر جاذب ہوتی ہیں کہ دلائل سامنے آجانے کے بعد بھی باطل پرستی کو چھوڑ کر حق کی طرف آنے نہیں دیتیں- اس کے لئے بڑی جرات ایمانی کی ضرورت ہوتی ہے- جب مذہبی فرقوں کا وجود نہیں رہتا تو مذہبی پیشوائیت باقی نہیں رہ سکتی- لیکن طلوع اسلام میں جو آیات اس سلسلہ پیش کی جاتی رہی ہیں جن میں قرآن مجید نے فرقہ بندی کو کفر اور شرک قرار دیا ہے- ان کا جواب ان حضرات سے بن نہیں پڑتا بالآخر انہوں نے زچ ہو کر اس کا علاج یہ سوچا کہ مشہور کر دیا جائے کہ طلوع اسلام کے بانی پرویز نے ایک نیا فرقہ پیدا کیا ہے- تعجب ہے کہ طلوع اسلام کی نہ کوئی الگ نماز ہے' نہ الگ مسجد' نہ الگ شریعت' نہ کوئی الگ دعوی پھر یہ فرقہ کیسے بن سکتا ہے- اس فرقے کا اور ان کے جھوٹے پروپیگنڈہ کی رو سے مشہور- ہر منبرو محراب سے اس کا چرچا کیا جاتا ہے معلوم نہیں ان حضرات کو اس کذب بیانی پر کسی قسم کی ندامت کیوں نہیں ہوتی اور ان کو یوم ظہور نتائج کا احساس کیوں نہیں جس دن جنہوں نے قوانین خداوندی سے سرکشی برتی ہو گی ان لوگوں کی معذرت کسی کام نہیں آسکے گی- وہ زندگی کی تمام خوشگواریوں سے محروم رہیں گے ان کا ٹھکانا بہت برا ہو گا- **يوم لا ينفع الظالمين معذرتهم**.... (40:52)_ اس دنیا میں یہ فوجدار' دوسروں کے کفر و ایمان کا فیصلہ کرنے والے لاکھ مسند عدالت پر اپنے آپ کو فائز سمجھیں' عدالت خداوندی میں تو یہ سب' دوسروں کے ساتھ ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے ہونگے-

ان حضرات کو شاید نہیں معلوم کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق فرقوں کی پہچان ہوتی ہے الگ مسجد اور الگ نماز سے- رسول اکرمؐ کی زندگی میں ایک مسجد تعمیر کرنے کی کوشش کی گئی تھی (مسجد ضرار) جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے- ظاہر ہے اس مسجد کی تعمیر کرنے والوں نے نہ کفر اختیار کیا تھا' نہ ہی انہوں نے کوئی نئی نماز وضع کی تھی لیکن ان کا الگ مسجد بنانا' مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کا جرم اس قدر سنگین تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کو روکنے کے لئے سخت ترین الفاظ میں تاکید کی- کہا' یہ مسجد نہیں' ان لوگوں کے لئے کمین گاہ بن جائے گی جو پہلے سے خدا اور رسول سے جنگ کرنا چاہتے ہیں (**ارمادا لمن حادب الله و رسوله** (9:107)_ اور قرآن کریم نے اس مسجد سازی کو کفر قرار دیا (9:107)_ اور رسول سے ارشاد فرمایا کہ تم اس میں قدم تک نہ رکھنا- اور اس کے بعد کہا کہ یہ مسجد ان لوگوں کو جہنم میں لے جائے گی- **جرم تفريقا بين المومنين** (9:107)_ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی علامت تھی الگ مسجد' یہی وہ فرقہ ہے جسے قرآن مجید نے یہاں کفر اور دوسرے مقام پر شرک کہہ کر پکارا ہے (30:31)_

تحریک ہے۔ اس نے کوئی نیا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ طلوع اسلام کی بزموں' درسوں اور کنونشنوں میں ہر فرقے کے مسلمان آتے ہیں اور اپنے اپنے طریقے سے ارکان اسلام کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اس باب میں ان کی شدت کا عالم یہ ہے کہ اپنے اجتماعات میں نماز با جماعت کا کوئی اہتمام نہیں کرتا اور ان میں شامل ہونے والوں کو تاکید سے کہا جاتا ہے کہ وہ آس پاس کی مسجدوں میں جا کر نماز پڑھیں۔ وہ ڈرتا ہے کہ آج کا اجتماع کہیں کل کو امت سے علیحدگی کا نشان نہ قرار پا جائے اور امت میں مزید انتشار پیدا نہ ہو جائے۔

فرقے کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ مختلف فرقے ایک دوسرے کو اپنوں میں سے نہیں سمجھتے۔ مثلاً

کیا سنی حضرات' شیعہ حضرات کو اپنے میں سے سمجھتے ہیں؟

کیا حنفی حضرات اہل حدیث کو اور اہل حدیث حنفیوں کو اپنے میں سے سمجھتے ہیں۔ یا کیا دیو بندی حضرات' بریلوی حضرات کو' یا بریلوی حضرات' دیوبندی حضرات کو اپنے میں سے سمجھتے ہیں؟

جب ان میں سے کوئی بھی دوسروں کو اپنوں میں سے نہیں سمجھتا تو ان کے فرقے بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ اس کے برعکس طلوع اسلام کسی مسلمان کو' جو اس کے پیش کردہ نظریے سے اختلاف کرتا ہے اپنے سے غیر نہیں سمجھتا۔

ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید نے جو عذاب کی سب سے مہیب شکلیں بتائی ہیں ان میں سے ایک شکل فرقہ واریت کا عذاب بھی ہے۔ قرآن مجید نے سورۃ الانعام آیت 65 میں بتایا ہے کہ عذاب کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔

"تمہارے اعمال کی سزا مختلف انداز میں وارد کر دے۔ کبھی تم پر تمہیں میں سے جابر حکمران مسلط ہو جائیں جو تمہیں اپنے جور و ستم سے روند ڈالیں۔ یا کبھی معاشرہ کے عوام نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اس طرح نظم و نسق کو تہہ بالا کر دیں یا تم (عوام) کو مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر دے جس سے پارٹیاں آپس میں سر پھٹول شروع کر دیں (6:65)۔

یہ ہیں باہمی جنگ و جدل اور انتشار کی وہ مختلف شکلیں۔ فرقہ بندی کا نتیجہ ہوتا ہے رسوا کن عذاب۔ سورہ آل عمران میں ہے:

ولا تکونو کالذین تفرقھم و ختلفوا من بعد ماجاء ھم البینت و اولئک لھم عذاب عظیم (3:104)۔

"دیکھنا تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کی طرف سے واضح ہدایات آجانے کے بعد آپس میں تفرقہ اور اختلاف پیدا کر لیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بہت عذاب میں مبتلا ہوں گے"

ان تصریحات کے بعد آپ خود سوچئے۔ پرویز صاحب (غالباً) پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کے واضح ارشادات کے مطابق یہ کہنے کی جرات کی ہے کہ دین میں فرقے پیدا کرنا شرک ہے اور ایسا کرنے والوں کا رسولؐ اللہ سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ جس شخص کا عقیدہ یہ ہو' وہ بھلا خود کوئی فرقہ پیدا کرے گا؟

تاریخی یادداشتیں

سوال یہ ہے کہ قرآن کا دین موجودہ مذہب میں کس طرح تبدیل ہو گیا؟ غیر قرآنی نظریات' تصورات' معتقدات کہاں کہاں اور کن کن راستوں سے در آئے؟ دانشور حضرات اس موضوع پر روشنی ڈال سکیں تو راقم ممنون ہو گا۔

ملتمس: ایم۔ آر راجہ (کینیڈا) معرفت ادارہ طلوع اسلام' 25 بی گلبرگ 2 لاہور

PAMPHLETS -- پمفلٹس

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس دو روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1 آرٹ اور اسلام

2

3 اسلام کیا ہے؟

4

5 اسلام آگے کیوں نہ چلا؟

6

7 اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟

8

9 اندھے کی لکڑی

10 بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن

11 جہاں مارکس ناکام رہ گیا

12 حرام کی کمائی

13

14

15 دو قومی نظریہ

16 روٹی کا مسئلہ

17 سوچیو (سندھی)

18

19

20 عورت قرآن کے آئینے میں

21 فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟

22 قرآن کا سیاسی نظام

23 قرآن کا معاشی نظام

24 قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر

25 کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

26 کافر گری

27

28 مقام اقبالؒ

29 مرزائیت اور طلوع اسلام

30 مقام محمدی ﷺ

31 ماؤزے تنگ اور قرآن

32 ہم میں کریکٹر کیوں نہیں؟

33 ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

34 Islamic Ideology

35 Is Islam a Failure

36 Why Islam is the Only True Deen?

37 Parmanent Values

38 اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟

39 پرویز صاحب کا پیغام اراکین بزم ہائے طلوع اسلام کے نام

(صرف اس پمفلٹ کی قیمت 5 روپے ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عابد، کویت

کیا پرویزیت کفر ہے؟

اسلام آباد سے شائع ہونے والے روزنامہ اوصاف کی اشاعت مورخہ 17 ستمبر بروز جمعۃ المبارک میں فاضل مضمون نگار جناب اورنگزیب اعوان کے قلم سے ایک فیچر شائع ہوا جس میں علامہ غلام احمد پرویز کے خلاف علمائے کرام کے فتوے اور ان کی تحریروں سے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کئے گئے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ اقتباسات سیاق و سباق کے مطابق نہیں اور پرویز صاحب کے نقطہ نظر کے بالکل برعکس ہیں۔ ہم اس کے بارے میں صرف اتنا کہیں گے کہ یہ ایک بہت بڑا بہتان اور افترا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہر مسلمان کو ایسی بہتان تراشیوں سے محفوظ رکھے۔ ہم ذیل میں پرویز صاحب کی تحریروں کے صحیح اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ جو قارئین دیانتداری کے ساتھ تحقیق کرنا چاہیں ان پر حقیقت واضح ہو سکے کہ صحیح کیا ہے؟ اور جھوٹ کیا ہے؟

1- کیا پرویز منکر حدیث تھا؟

"احادیث سے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ ان میں جو باتیں قرآن کریم کے مطابق ہیں انہیں میں سچ سمجھتا ہوں۔ جو قرآن کے خلاف ہیں انہیں غلط قرار دیتا ہوں"۔ (قرآنی فیصلے جلد پنجم صفحہ۔ 493)

2- کیا پرویز شاتم رسولؐ تھا؟

پرویز صاحب حضور اکرمؐ کی بعثت مبارکہ کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

".... چنانچہ اس کے لئے اس رب ذوالمنن کا سحاب کرم، زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنتیں اپنے آغوش میں لئے، ربیع الاول کے مقدس مہینے میں فاران کی چوٹیوں پر جھوم کر آیا اور بلد امین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آ گئی۔ عمرانیت و مدنیت کے سبزہ پامال میں نزہت و لطافت پیدا ہو گئی، اعمال صالحہ کے خشک چشمے حیات تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل ہو گئے۔ طغیانی و سرکشی کی باد سموم، عدل و احسان کی جان بخش نسیم سحری میں بدل گئی۔ فضائے عالم مسرتوں کے نغموں سے گونج اٹھی۔ انسان کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے جھک کر زمین کو مبارک باد دی کہ تیرے بخت بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذروں کو اس ذات اطہرؐ و اعظمؐ کی پابوسی کی سعادت نصیب ہو گئی۔ جو عالم موجودات کے سلسلہ ارتقاء کی آخری کڑی ہے۔ جس سے شرف و مجد انسانیت کی تکمیل ہو گئی......" (معراج انسانیت۔ صفحہ 71)

ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

"جس سینے میں عشق رسولؐ کا سوز نہیں وہ سینہ نہیں بدبختیوں اور تاریکیوں کا قبرستان ہے۔ جس دل میں ناموس محمدؐ پر مرمٹنے کی تمنا نہیں وہ دل نہیں بوم و کرگس کا وحشت انگیز کاشانہ ہے"۔ (قرآنی فیصلے جلد پنجم۔ صفحہ 316)

3- کیا پرویز صرف دو نمازوں کا قائل تھا؟

"میں حنفی گھرانے میں پیدا ہوا اور اسی لئے اسی مسلک کے مطابق نماز پڑھتا چلا آ رہا ہوں۔ مگر میں کسی دوسرے مسلک کے پیروکاروں کے ساتھ نماز پڑھنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں

کرتا۔" (قرآنی فیصلے جلد پنجم۔ صفحہ 484)

4_ کیا پرویز ضروریات دین کا منکر تھا؟

"میں ان تمام امور پر ان تصریحات کے مطابق جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ایمان رکھتا ہوں۔ میں نبی اکرمؐ کو خدا کا آخری نبی اور رسول اور قرآن کریم کو تمام نوع انسانی کیلئے ضابطہ حیات مانتا ہوں"۔ (کافر گری (پمفلٹ) صفحہ 37)

5_ کیا پرویز نے کوئی پرویزی فرقہ بنایا تھا؟

"جماعت سازی کے متعلق قرآن کریم کی واضح تعلیم-- وہ امت میں مختلف جماعتوں اور فرقوں کے وجود کو شرک قرار دیتا ہے-- میری زندگی کا مشن امت میں اس احساس کو بیدار کرنا ہے کہ اسلام اور وحدت امت لازم و ملزوم ہیں اور اس کیلئے قرآنی مملکت کا قیام ناگزیر ہے۔ میں اس فکر کو الگ فرقہ یا پارٹی یا جماعت بنائے بغیر عام کئے چلا جا رہا ہوں"۔ (قرآنی فیصلے جلد پنجم۔ صفحہ 478)

6_ کیا پرویزیت اور قادیانیت ایک ہی شے ہے؟

"اسلام خدا کا آخری اور مکمل دین اسی صورت میں قرار پا سکتا ہے کہ نبوت محمدیہؐ کو تمام نوع انسان کیلئے قیامت تک قائم و دائم تسلیم کیا جائے۔ حضورؐ کے بعد خدا کی طرف سے وحی پانے کا دعویٰ' خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے' اسلام کی اس بنیاد اور نبوت محمدیہؐ کی اس انفرادیت اور اختصاص کو ختم کر دیتا ہے" (ختم نبوت ایڈیشن چہارم صفحہ 193)

7_ کیا پرویز موجودہ حکومتی نظام کو مرکز ملت اور اس کے فیصلوں کو خدا اور رسولؐ کی اطاعت قرار دیتا تھا؟

"مرکز ملت صرف اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو کہا جائے گا (خواہ وہ ایک فرد ہو یا جماعت) جو احکام خداوندی کو نافذ کرے اور امور مملکت' امت کے مشورے سے طے پائیں... یعنی اس قسم کا نظام جو محمدؐ رسول اللہ والذین معہ' کے مقدس ہاتھوں سے قائم ہوا تھا۔ جس میں مملکت کا تمام کاروبار قرآن کریم کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہوتا تھا"۔

(قرآنی فیصلے جلد پنجم صفحہ 187)

قارئین کرام! آپ نے غور فرمایا' ان اقتباسات کی روشنی میں مندرجہ بالا تمام سوالات کے جوابات نفی میں ہیں' یہ اقتباسات پرویز صاحب کی صرف چند تحریروں سے پیش کئے گئے ہیں جبکہ مختلف موضوعات پر انہوں نے پچاس سے زائد کتب تحریر کی ہیں جو کہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ آپ نے زندگی کے پچاس سال قرآن کریم کی درس و تدریس میں صرف کئے۔ آپ جیسی وسیع المطالعہ اور صاحب علم شخصیت کی تحریروں سے ایک ایک' آدھ آدھ فقرہ ادھر ادھر سے اخذ کر کے اسے کفر و الحاد پر محمول کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور پھر ان منتشر ٹکڑوں سے بے حد غلط اور گمراہ کن مفہوم مرتب کر کے عوام کو اشتعال دلانا کہاں کی شرافت ہے؟ ہم اس طرح کے افتراء پردازوں اور بہتان باندھنے والوں کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں بجز یہ کہ رسولؐ اللہ کا اتباع کرتے ہوئے اللہ سے دعا کریں کہ اے اللہ! انہیں معاف فرما کہ یہ ناداں ہیں۔

جہاں تک علماء کرام کے فتوؤں کا تعلق ہے' تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس وقت پاکستان میں جس قدر مسلمان ہیں' ان حضرات کے فتوؤں کے مطابق ان میں کوئی بھی مسلمان نہیں۔ قبل اس کے کہ ہم اس حقیقت کی وضاحت کریں' ہم یہ دہرا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم کسی فرقے سے متعلق نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہیں تھا سب مسلمان تھے۔ ہمارا بھی کسی فرقے سے تعلق نہیں۔ نہ کسی قدیم فرقے سے' نہ جدید سے۔ نہ ہی ہمارا اپنا الگ کوئی فرقہ ہے۔ ہم صرف مسلمان ہیں اور ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ پر ایمان' انبیائے کرامؑ پر ایمان' کتابوں پر ایمان۔ ملائکہ پر ایمان۔ آخرت پر ایمان' اس لئے ہم ذیل میں اگر کچھ مثالیں پیش کریں گے جن میں بتایا جائے گا کہ ہمارے علمائے کرام کے فتوؤں کی رو سے کوئی شخص بھی مسلمان نہیں رہتا' تو اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم کسی خاص فرقے کی تائید یا تردید کرتے ہیں۔ ہم صرف مثالیں

پیش کرتے ہیں' اور وہ بھی دل پر پتھر رکھ کر۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا اسلام کی رو سے سب سے بڑا جرم ہے۔ لہٰذا ہمیں ان حضرات کی کفر سازی کی داستانیں دہراکر کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ اس وقت پاکستان میں جو بڑے بڑے فرقے بستے ہیں' وہ حسب ذیل ہیں:

○__ شیعہ اور سنی

○__ سنی پھر دو فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ مقلد اور غیر مقلد۔ جنہیں عام طور پر حنفی اور اہل حدیث کہا جاتا ہے۔

○__ مقلد پھر دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ دیو بندی اور بریلوی۔

اب دیکھئے کہ یہ فرقے کس طرح آپس میں ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں:

1_ اہل سنت کا اہل تشیع کے خلاف کفر کا فتویٰ۔

"اس میں شبہ نہیں کہ فرقہ امامیہ (شیعہ) صدیق اکبرؓ کی خلافت کے منکر ہیں اور کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جو حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ اجماع کا منکر اور کافر ہو جاتا ہے"۔ (فتاویٰ شاہ عبدالعزیز دہلوی صفحہ 192)

2_ اہل تشیع کا اہل سنت کے خلاف فتویٰ۔

"سوائے فرقہ اثناء عشریہ امامیہ' کوئی بھی جنتی نہیں' خواہ وہ قتل ہو جائے یا اپنی موت مرے"۔ (حدیقہ الشہداء صفحہ 65)

شیعہ اور غیر شیعہ کا معاملہ یوں صاف ہو گیا۔ اب سنیوں کی طرف آیئے۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں' ان میں دو بڑے فرقے۔ مقلد اور غیر مقلد ہیں۔ مقلدین کو عام طور پر حنفی یا اہل سنت کہا جاتا ہے اور غیر مقلدین کو اہل حدیث۔

3_ اہلسنّت کا فتویٰ اہل حدیث کے خلاف!

"فرقہ اہل حدیث' جن کی علامت ظاہری اس ملک میں' آمین بالجہر۔ رفع یدین۔ اور نماز میں ہاتھ سینے پر باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ہے۔ اہل سنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فرق ضالہ۔ رافضی و خارجی ہیں۔ ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔ ان سے مخالطت و مجالست کرنا اور ان کو اپنی خوشی سے مسجد میں آنے دینا شرعاً" ممنوع ہے"۔ (اس کے نیچے ستر (70) علماء کی مہریں ثبت ہیں) (بحوالہ جامع الشواہد صفحہ 8)

4_ اہلسنّت کے خلاف اہلحدیث کا فتویٰ۔

"چاروں اماموں کے پیرو اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی۔ شافعی' مالکی' حنبلی اور چشتیہ' قادریہ' نقشبندیہ' مجددیہ سب لوگ کافر ہیں"۔ (جامع الشواہد صفحہ 2)

5_ دیو بندیوں کے خلاف تین سو علماء کا فتویٰ۔

"وہابیہ دیوبندی اپنی تمام عبادتوں میں' تمام اولیاء' انبیاء' حتیٰ کہ حضرت سید الاولین و آخرین (صلعم) اور خاص ذات باری تعالیٰ کی اہانت اور ہتک کرنے کی وجہ سے قطعاً" مرتد اور کافر ہیں"۔ (المشتہر محمد ابراہیم بھاگلپوری)

6_ بریلویوں کے خلاف دیوبندیوں کا فتویٰ۔

"مولوی سید محمد مرتضیٰ صاحب دیوبندی نے اپنی کتاب میں' مولوی احمد رضا خان صاحب کو کافر' دجال' مرتد' خارج از اسلام وغیرہ ثابت کیا ہے۔" (رسالہ ردالتکفیر)

آپ نے غور فرمایا؟

پاکستان میں اس وقت یہی بڑے بڑے فرقے ہیں' شیعہ' سنی' حنفی' اہلحدیث' دیوبندی' بریلوی یا ارباب طریقت میں' چشتیہ' قادریہ' نقشبندیہ' مجددیہ وغیرہ۔ ان سب کے خلاف کفر و ارتداد کے فتوے لگ چکے ہیں۔ کیا ان فتوؤں کی رو سے پاکستان میں ایک شخص بھی مسلمان باقی رہ جاتا ہے؟

پھر مختلف فرقوں کی تکفیر تک ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ ان فرقوں کے ممتاز افراد کے خلاف نام بنام فتاویٰ صادر کیئے گئے ہیں اور انہیں ہدف دشنام بنایا گیا۔ مثلاً مولانا نذیر حسین دہلوی' مولوی محمد حسین بٹالوی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ مولانا حسین احمد مدنی' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ سرسید احمد خان وغیرہ۔ ان حضرات نے قائداعظم کو کافراعظم کہہ کر پکارا تھا اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ جیسے مرد مومن پر بھی کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ ان حالات میں اگر پرویز صاحب اور طلوع اسلام پر کفر کا

فتویٰ لگ گیا ہے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔ لیکن یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ پرویز صاحب کے خلاف جو فتویٰ شائع ہوا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ اس پر ہر فرقہ کے علماء دین۔ دیوبندی' بریلوی۔ اہلحدیث۔ سنی۔ شیعہ سب متفق ہو چکے ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان میں سے ہر فرقے پر کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ :

☆☆ اگر کسی شخص یا فرقہ پر کفر کا فتویٰ لگنے سے وہ واقعی کافر ہو جاتا ہے تو مندرجہ بالا فتوؤں کے مطابق یہ حضرات سب کے سب کافر قرار پا چکے ہیں۔ تو جو لوگ خود کافر ٹھہرائے جا چکے ہوں' وہ کسی دوسرے کے کفر و ایمان کا فیصلہ کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں؟ وہ پہلے اپنے آپ کو تو مسلمان ثابت کریں؟ اور

☆☆ اگر ان فتوؤں کے باوجود یہ حضرات مسلمان ہیں اور ان فتوؤں سے ان کے ایمان اور اسلام کا کچھ نہیں بگڑتا' تو ان کے فتوؤں سے دوسرا شخص کس طرح کافر ہو سکتا ہے؟ جس طرح ان فتوؤں کے باوجود یہ حضرات مسلمان کے مسلمان ہیں اسی طرح ان کے فتوے کے باوجود پرویز صاحب اور طلوع اسلام بدستور مسلمان ہیں۔

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
باہر (ٹائیٹل)	800/= روپے	6,000/= روپے
اندر ٹائیٹل	600/= روپے	5,000/= روپے
اندر کے صفحات	500/= روپے	4,000/= روپے
نصف صفحہ	300/= روپے	2,000/= روپے

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔

ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر

مجلّہ طلوع اسلام اور پمفلٹس کے لئے اپنی رقوم ادارہ طلوع اسلام کے اکاؤنٹ نمبر 3082-7 نیشنل بینک۔ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور میں ارسال فرمائیں۔ شکریہ

سرکولیشن مینجر

زر شرکت ختم ہونے کا

انتظار کیوں؟

قارئین گرامی ---- السلام علیکم

پرچہ آپ کو بدستور بھجوایا جارہا ہے- آپ کا زر شرکت جس ماہ تک ہمیں وصول ہوا ہے اس کا اندراج آپ کے ایڈریس کے اوپر دائیں طرف کر دیا گیا ہے- اسے ایک نظر دیکھ لیجئے اور اگر آپ کا زر شرکت ختم ہو گیا ہے یا ختم ہونے والا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ فکر قرآنی کی جو آواز طلوع اسلام کے ذریعہ پھیل رہی ہے' جاری و ساری رہے تو آپ سے التماس ہے کہ اپنا زر شرکت اندرون ملک 170 روپے اور بیرون ملک 800 روپے بذریعہ بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر اسی ماہ ارسال فرمادیں یا وعدہ فرمالیں تاکہ آپ کا پرچہ بدستور جاری رہے-

لاہور سے باہر کا چیک بھجوائیں تو بینک کمیشن 70 روپے۔ مزید شامل کر لیں ادارہ آپ کے تعاون کے لئے بے حد ممنون ہو گا۔

نیاز مند

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"علمائے کرام" ایک عالم کی نظر میں

(مولانا) آزاد سبحانی مرحوم' تحریک آزادی کے دنوں کی ایک بڑی نمایاں شخصیت تھے۔ایک جید عالم اور حریت اسلامی کے مبلغ اور داعی۔ جب (مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) کو' ان کی ہندی نیشنلزم کے مسلک کی بنا پر' کلکتہ کے مشہور اجتماع عید کی امامت و خطابت سے' مسلمانوں نے الگ کیا ہے' تو ان کی جگہ فریضہ امامت و خطابت' (مولانا) آزاد سبحانی مرحوم کو تفویض کیا گیا تھا۔ (مولانا) آزاد سبحانی کے ایک خطبہ صدارت کا اقتباس پیش خدمت ہے جسے انہوں نے کلکتہ میں یوم پاکستان کی تقریب پر 23 مارچ 1945ء کو ارشاد فرمایا تھا۔ اس اقتباس کے مطالعہ کی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ 54 سال پہلے تھی۔) (طلوع اسلام)

عرفی "علمائے کرام" اس مغالطہ میں ہیں کہ وہ دین کے عالم ہیں' اس لئے وہی تنہا عالم ہیں باقی سب جاہل۔ لفظ "عالم" کا اطلاق ان پر اپنی مطلق حیثیت میں مغالطہ کا ایک خاص سبب بن گیا ہے۔ حالانکہ وہ صرف عالم دین بلکہ عالم فقہ ہیں۔ باقی علوم دنیا سے جاہل ہیں۔ جماعت مسلمین جن میں دنیوی علوم راجہ کے ماہرین و فاضلین شامل ہیں' صرف فقہ کے عالموں کی قیادت کیسے قبول کر سکتی ہے۔ دین ضابطہ دنیا کا نام ہے۔جس کا سمجھنا دنیا کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اس لئے حقیقت میں نہ وہ علمائے دین ہیں نہ علمائے دنیا۔ ان کا ایک مغالطہ یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کے عالم ہیں اور قرآن جملہ کائنات کے علم کا عطر و مخزن ہے۔ اس لئے ان کا علم جمیع کائنات پر حاوی ہے۔ ان بیچاروں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر علم قرآن کو اس وسعت و جامعیت تک پھیلا دیا جائے تو ان علمائے عرفی کو علم قرآن سے اتنا ہی کورا ماننا پڑے گا جتنا کہ ایک امی کو۔ کیونکہ اس جامعیت کے ساتھ قرآن کا علم جمیع کائنات کے علم پر موقوف ہے' اور علم کائنات سے انہیں کیا واسطہ!

رب العالمین کی دو کتابیں ہیں' ایک قولی یعنی قرآن' اور ایک عملی یعنی صحیفہ فطرت۔ کتاب قرآن کا سمجھنا' تفسیر کرنا اللہ کی عملی و تکوینی کتاب کائنات کے سمجھے بغیر دشوار و محال ہے۔قرآن کی حقیقی تفسیر زمانہ اور وقت کرتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ موجودہ عرفی علماء جامعیت کے درجہ میں قرآن کے ایک شوشہ کا بھی علم نہیں رکھتے۔ وہ صرف الفاظ قرآن کے عالم ہیں یا معانی لغوی کے۔ حقائق قرآن کے علم سے انہیں کیا نسبت؟ جن دینی مدارس سے یہ حضرات علمائے عرفی برآمد ہوئے ہیں وہ خود پوست و قشر سے زیادہ نہیں۔ ان کا دقیانوسی نصاب تعلیم کیا اس قابل ہے کہ دین و قرآن کی وسعت پذیر حقیقتوں پر جو' ہر دور جدید میں اس دور کی جدید وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہیں اپنے طالبین کو مطلع کر سکتا ہے؟

پھر انہیں غرہ ہے کہ وہ وارث نبیؐ ہیں اور اس لئے امت نبیؐ کے موروثی قائد۔ لیکن نبیؐ کی وراثت صرف نبیؐ کی سیرت پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتی جب تک نبیؐ کی حقیقت ان میں جلوہ فگن نہ ہو' نبیؐ کی سیرت ان میں جلوہ ریزی نہ کرتی ہو' پھر کیا ازروئے حقیقت علمائے عرفی میں ان چیزوں کی موجودگی کا سنجیدہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے؟ کیا ان میں وہی فروتنی و خاکساری ہے جو نبی کریمؐ میں تھی۔ کیا ان میں وہی ہمدردی و خدمت خلق کا جذبہ ہے جو نبی کریمؐ میں تھا۔ اور اتحاد امت اسلامیہ سے انہیں وہی دلچسپی و والہانہ محبت ہے جو سرور عالمؐ میں ہر وقت درخشاں تھی؟ کیا وہ اصلاح بین المسلمین کا وہی

...ت اور غلبہ اسلام و اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے وہی جذبہ ...وشی رکھتے ہیں جو نبی کریمؐ میں تھا اور جس کی بنا پر وہ خدا ...ے لئے ساری خدائی کے مقابل کھڑے ہو گئے تھے؟ پھر کیا ان میں معرفت الٰہی کا وہی ملکوتی رنگ موجود ہے جو نبی کریمؐ پر ...ہوا تھا؟ واقعات پکارتے ہیں اور حقیقت پکار پکار کر کہتی ہے کہ نبی کریمؐ کے ان عملی جوہروں میں سے ایک جوہر بھی ان میں موجود نہیں ہے۔ پھر وراثت نبیؐ کا دعویٰ کس منہ سے؟ کیا نبی کریمؐ سے ان کو وراثت میں صرف مسواک' ڈاڑھی و عمامہ کی سی ظاہری چیزیں ہی ملی ہیں یا نبی کریمؐ کے باطنی عظیم الشان خزانہ بے کراں سے بھی انہیں کچھ حاصل ہوا ہے؟

For All Publications of Allama Parwez
and recorded lectures on Quran
Please contact:
TOLU-E-ISLAM TRUST
25-B,Gulberg 2 Lahore-Pakistan.

Current Account No:
4107-35
Main Gulberg Branch
Habib Bank Limited
Lahore

Phone: 5753666 - 5764484
Fax: 092-42-5764484
Email: trust@toluislam.com
Internet: http://www.toluislam.com

اپیل

اگرچہ کراچی شہر کو تحریک طلوع اسلام کا اولین گہوارا ہونے کا شرف حاصل ہے اور اہالیان کراچی درس قرآن کی اس روائت کو جس کی طرح علامہ غلام احمد پرویزؒ نے ڈالی تھی' اسی طرح قائم رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اتنی بڑی آبادی والے اس مالدار شہر میں کوئی مستقل قرآنی درسگاہ آج تک قائم نہیں کی جا سکی لہذا قرآنی فکر سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے اپیل ہے کہ وہ جس قدر جلد ہو سکے ہماری مالی معاونت فرما کر کراچی میں مستقل قرآنی درسگاہ قائم کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ عطیات بزم طلوع اسلام کراچی (صدر) اکاؤنٹ 1-60299' حبیب بینک لمیٹڈ (کورنگی روڈ برانچ (1910) فیز II- ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی کے نام ارسال فرمائیں۔

بزم طلوع اسلام کراچی (صدر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ محمد اسلم

فہم قرآن کی پیش شرائط

اس واقعیت کی کوئی مثال نہیں کہ قرآن عظیم کو نازل ہوئے چودہ صدیاں بیت چکی ہیں اور آج تک یہ تحریف سے پاک اور اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ راہ راست پر چل کر کے امتحان دنیا سے کامیاب لوٹنے کے لئے مکمل تعلیمات و ہدایت اور احکام و قوانین پر مشتمل رب رحمٰن کا زندہ جاوید آخری کلام ہے اور اس نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے (الحجر 9:15)

قرآن حکیم، پیغمبر اعظم و آخر ﷺ پر تقریباً 23 برس کے دوران بتدریج نازل ہوتا رہا۔ اس سے :

اولاً" : دین کی تکمیل ہو گئی (المائدہ 3:5)

ثانیاً" : وحی و تنزیل اور نبوت و رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا (الاحزاب 4:33)

ثالثاً" : زندگی کے نو بہ نو اور لامتناہی تقاضوں کی تکمیل کرنا قرآن حکیم کی ذمہ داری ٹھہری، لہٰذا وہ تمام معلومات اس میں موجود ہیں جن کے ذریعے بنی نوع انسان، ہر زمان و مکان میں، زندگی کے مسلسل و پیہم تقاضے پورے کرنے کے علاوہ مادی و معنوی ترقی کر سکتے ہیں، علاوہ ازیں وہ امن و سلامتی کے ساتھ طیبہ بھی بسر کر سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ انہیں ایسا کرنے کا آرزو ہو۔

قرآن حکیم کے ارشادات عالیہ کے فہم و ادراک کے لئے چند حقائق کو پیش نظر رکھنا ناگزیر ہے :

1- قرآن مجید حق ہے۔ یہ رب حکیم و حمید کی تنزیل ہے۔ یہ ایک کتاب مقتدرہ ہے، یعنی کوئی کلام اس کی حقانیت کو رد کر سکتا اور نہ کوئی نظریہ اس پر غالب آسکتا ہے۔ (حم السجدہ 41:42-41)

2- قرآن حکیم میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں (النساء 82:4)

3- قرآن حکیم "الفرقان" ہے، یعنی وہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے (الفرقان 1:25)

4- قرآن حکیم چاہتا ہے کہ انسان کو جب بھی سچائی کی جستجو و تلاش ہو تو وہ اپنے رب یعنی قرآن عظیم کی طرف رجوع کرے۔ اس کا نتیجہ ہو گا کہ وہ مطمئن ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جائیں گے۔ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں میں شامل ہو جائے گا اور وارث جنت ہو گا۔ (الفجر 27:89 تا 30)

5- قرآن حکیم اپنے تلمیذ سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ قرآن فہمی کے لئے مخلص ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں اپنے ذہن کو ان تمام نظریات و اعتقادات اور جذبات و تعصبات سے خالی کرے جو اس میں پہلے سے موجود ہیں۔ خالی الذہن ہو کر قرآن حکیم کے بیان کردہ حقائق میں غور و فکر کرے اور فقط انہیں کو تسلیم بالیقین کرے (الزمر 2:39)_

6- قرآن حکیم صداقت و عدل میں مکمل کر دیا گیا ہے۔ اس کا کوئی قول، قانون، اصول یا حکم تبدیل نہیں ہو سکتا (الانعام 115:6)

ان واضح قرآنی ہدایات کی موجودگی میں عقل سلیم یہ تقاضا کرتی ہے کہ قرآن مجید کے منافی کوئی قول یا بات، خواہ وہ کسی بھی انسان نے کہی ہو یا اس سے منسوب کر دی گئی ہو، تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے اور فقط قرآن حکیم کے ہر قول کو قول فیصل اور ہر حرف کو حرف آخر تسلیم کیا جائے۔

(بشکریہ ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ، اکتوبر 99ء)

محترم پرویز صاحبؒ کا نہایت حقیقت کشا مقالہ

حسن کردار کا نقش تابندہ

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی عظمت کردار اور رعنائی سیرت کی

چند جھلکیاں

جن کے بل بوتے پر انہوں نے بے تیغ و سناں چومکھی لڑائی لڑ کر ایک عظیم مملکت حاصل کر لی

اس کے ساتھ علامہ پرویزؒ کے دو مقالات۔

☆ کیا قائد اعظمؒ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

اور

☆ دو قومی نظریہ' اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی نگاہوں میں۔

جن کی اہمیت عنوانات سے عیاں ہے

تینوں مقالات کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

بڑی پراز معلومات کتاب ہے

قیمت (علاوہ ڈاک' پیکنگ خرچ) Rs. 60

مینجر طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناصر سیفی، کویت

تقریبات

ہمارے معاشرے میں تقریبات منعقد کرنے کا کافی رجحان پایا جاتا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ گذشتہ چند سالوں سے یہ رجحان بتدریج بڑھ رہا ہے۔ کیونکہ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے انسان اپنی تشہیر کا ضرورت سے کچھ زیادہ ہی دلدادہ ہو گیا ہے۔ تشہیر چاہے اس کی ذاتی ہو یا خاندانی، قومی ہو یا مذہبی وہ یہی چاہتا ہے کہ میں ہر لحاظ سے دوسروں کی نسبت نمایاں نظر آؤں۔ اب ہمارے معاشرے میں مسئلہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ذاتی اور مذہبی تشہیر کا دیوانہ ہوتا ہے اور وہ آسانی سے کوئی بھی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا جس سے اس کی تشہیر کی کوئی صورت نکل رہی ہو۔ اسی جذبے کہ تحت مختلف قسم کی تقریبات کا اہتمام بڑے زور و شور سے کیا جاتا ہے اور زیادہ زور مذہبی تقریبات پر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس طرح ایک تیر سے دو شکار کئے جاتے ہیں۔ یعنی انعام بھی، ثواب بھی۔ انعام کے طور پر تو معاشرے میں نیک نامی ہوتی ہے پرہیز گاری و دریا دلی کے ڈنکے بجتے ہیں اور ثواب کا تو پوچھئے مت کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شائد انہی کاموں کے لئے ہی تو اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

تقریبات مختلف قسم کی ہوتی ہیں جنہیں ہم اپنی سہولت کے لئے چار اقسام (Categories) میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ نمبر ایک مذہبی، نمبر دو سیاسی، نمبر تین قومی اور نمبر چار ذاتی۔ آخری قسم کی تقریبات کی گہرائی میں ہم نہیں جائیں گے۔ کیونکہ ان کی فہرست بہت لمبی ہے اور ہر درجے (Class) کے لوگ اپنی حیثیت سے بڑھ کر تقریبات منانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جوں جوں ان کا درجہ یا Social Status بڑھتا جاتا ہے اسی حساب سے تقریبات اور فنکشنز کی تعداد بھی بڑھتی جاتی ہے اور ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ تقریب ایسی شاندار ہو کہ کسی نے اس کا تصور بھی نہ کیا ہو۔ مثلاً آپ نے یہ جملہ اکثر سنا ہو گا کہ ہم اپنے بیٹے، بیٹی کی شادی یا سالگرہ اتنی دھوم دھام سے منائیں گے کہ سارا شہر دیکھتا رہ جائے گا۔ اسی طرح کی بیشمار چھوٹی بڑی تقریبات ہیں جن کا احاطہ ایک مضمون میں نہیں کیا جا سکتا۔

اب آتے ہیں تقریبات کی باقی اقسام کی طرف، جن میں مذہبی تقریبات کو ایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ اس کیلئے مختلف موضوعات اور موقع کی مناسبت سے تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ ان تقریبات کا ایک مخصوص ماحول ہوتا ہے۔ بڑے بڑے جید علمائے کرام خاص اہتمام کے ساتھ اپنی مخصوص نشستوں پر براجمان ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو سارے جہان کی عاجزی اور انکساری اپنے چہرے پر سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں اور کچھ دونوں جہانوں کا قہر اور غضب اپنی آنکھوں میں بھر لیتے ہیں۔ اور ان کے معتقد نئے آنے والوں سے اکثر یہ اظہار بھی کر دیتے ہیں کہ حضرت صاحب کی شخصیت اتنی بارعب ہے کہ مجھ سا گنہگار آدمی تو نظر بھر کر ان کی طرف دیکھ ہی نہیں سکتا اور اگر کبھی بھولے سے بھی ان سے نظریں مل جائیں تو دل کانپ جاتا ہے اور فوراً نگاہیں جھکا لیتا ہوں کہ کہیں یہ بھی گستاخی ہی نہ ہو۔ تو جناب اس طرح کے منکسر المزاج یا بارعب حضرات جب اپنی باری آنے پر (جو کہ اکثر اوقات سب سے آخر میں آتی ہے) کچھ ارشاد فرمانے لگتے ہیں تو حاضرین کی توجہ حاصل کرنے کیلئے سب سے پہلے تو انہیں یہ خوشخبری

سناتے ہیں کہ جو لوگ آج اس بابرکت محفل میں شریک ہیں ان کو مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے صدقے ان کے تمام صغیرہ و کبیرہ گناہ معاف فرما دیئے ہیں اور اس وقت فرشتے آسمانوں سے حاضرین محفل پر رحمتوں کی پتیاں نچھاور کر رہے ہیں۔ حاضرین محفل جب یہ خوشخبری سنتے ہیں تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور ذہنی طور پر اور زیادہ منہمک ہو جاتے ہیں کہ کہیں رحمت کی پتیاں کسی اور کی جھولی میں نہ جاگریں۔ محفل کے اختتام پر ایک پرسوز دعا مانگی جاتی ہے جو کہ بعض اوقات اتنی طویل ہوتی ہے کہ آدمی کے ہاتھ غیر ارادی طور پر بار بار چہرے کی جانب اٹھتے ہیں کہ شائد یہیں پر ثم آمین ہو لیکن دائیں بائیں دیکھ کر پھر انہیں وہیں پر روک لیتا ہے کہ نہیں شائد ابھی کچھ باقی ہے اور بعض لوگوں کی تو وجہ شہرت ہی یہی ہوتی ہے کہ فلاں مولانا صاحب ایسی پرسوز' پراثر دعا مانگتے ہیں کہ دعا گو کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی باور کرایا جاتا ہے کہ یہی وہ موقعہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ساری دعائیں قبول فرما لیتے ہیں۔ یعنی دعا قبول کروانے کے لیے' رونا اور گڑگڑانا انتہائی ضروری ہے۔

سیاسی تقاریب میں بہت ہلا گلا کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں زیادہ تر اسی پارٹی کے ہم ذہن و ہم نظریہ لوگ شرکت کرتے ہیں جنہوں نے اس فنکشن کا اہتمام کیا ہوتا ہے اور اگر تو وہ حکومتی پارٹی ہے تو پھر سارا وقت ہال یا جلسہ گاہ زندہ باد کے نعروں سے گونجتا رہتا ہے اور ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا "زندہ باد" لیڈر کے کانوں تک پہنچ جائے یا کم از کم تصویر ہی آجائے۔ کیا پتا کب اس کی نظر کرم ہو اور قسمت سنور جائے۔ یعنی کوئی پلاٹ یا ٹھیکہ شیئر ہی مل جائے اور پھر کچھ عرصہ بعد جب یہی پارٹی اپوزیشن میں تبدیل ہوتی ہے تو پھر وہی لوگ ہوتے ہیں' وہی ماحول ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ "زندہ باد' مردہ باد" میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ہر بات کی کڑی نقطہ چینی کے ساتھ ساتھ ورکرز کو سبز باغ دکھائے جاتے ہیں کہ آپ لوگ مایوس نہ ہوں کیونکہ حکومت کے دن گنے جا چکے ہیں اور آج کا یہ جلسہ یا ہڑتال حکومت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہو گا۔ اور سب مل کر "آوے ہی آوے یا جاوے ہی جاوے" کے نعرے لگاتے ہیں۔ یہ بعد کی بات ہے کہ اس طرح کے نجانے کتنے ہی اور کیل ٹھونکنے کے باوجود اس تابوت پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ کیونکہ آنے والے جانے والوں سے کافی سبق سیکھ چکے ہوتے ہیں کہ انہوں نے گھپلے اور فراڈ انتہائی بھونڈے طریقے سے کئے جس کی وجہ سے پکڑے گئے یا عوام کے سامنے ان کا امیج خراب ہوا۔ ہم اللہ کے فضل و کرم سے انشاء اللہ گھپلے اور فراڈ ایسے احسن طریقے سے کریں گے کہ کسی کو شک تک نہیں ہو گا۔ پکڑے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر ایک اور بات بڑی دلچسپ ہے' جب بھی کوئی سیاسی لیڈر کسی مقدمے یا فراڈ سے بری الذمہ قرار دیا جاتا ہے تو اس خوشی میں انتہائی شاندار جشن کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں وہ لیڈر اعتراف کرتا ہے کہ حکومت نے مجھے سزاوار ٹھہرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن وہ ایک ثبوت بھی پیش نہ کر سکی اور مجبوراً" مجھے رہا کر دیا۔ اس بات کی طرف کبھی نہیں آئے گا کہ حقیقت میں اس نے یہ جرم کیا تھا یا نہیں۔ اب انہیں یہ بات کون سمجھائے کہ جناب چور جب چوری کرتا ہے تو رسیدیں چھوڑ کر نہیں جاتا اور دوسرا یہ کہ سچ' ثبوت کا محتاج نہیں ہوتا۔ ثبوت صرف عدالتیں مانگتی ہیں' دلوں کو ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اب آیئے اپنی قومی تقاریب کی طرف۔ جن میں 14 اگست' 23 مارچ' 6 ستمبر اور قائداعظمؒ و علامہ اقبالؒ کے ایام پیدائش و وفات کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اور آج کل ان میں یوم تکبیر (ایٹمی دھماکوں کے حوالے سے) اور یوم شہدائے کارگل کا اضافہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ معرکہ ہم نے جیتا یا پسپا ہوئے۔ بہرحال یہ لمبی باتیں ہیں اور ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ کیونکہ ہم ٹھہرے "عوام" جو کہ صرف "نعرے" لگاتے ہیں۔ جبکہ یہ

معاملہ ہے "خواص" کا جو کہ صرف بلند و بانگ "دعوے" کرتے ہیں۔ خیر جو بھی ہو اس قسم کی تقریبات کا ماحول بڑا جذباتی ہوتا ہے اور مقررین کی تقریریں سن کر کچھ دیر کے لئے آدمی جذباتی ہو جاتا ہے کہ ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا کہ ہم ہی اس دور کے " سپر پاور" ہیں۔ لیکن ایک بات ملحوظ رہے کہ اس طرح کی تقاریب چونکہ حکومت اور اپوزیشن الگ الگ منعقد کرتی ہیں اس لئے دونوں کا ماحول (Atmosphere) ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ لیکن ان کی ترتیب تقریباً ایک جیسی ہی ہوتی ہے مثلاً سب سے پہلے تلاوت کلام پاک پیش کی جاتی ہے جس میں آیات کا انتخاب بھی خاص طور پر موقع کی مناسبت سے کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حمد و نعت پھر کچھ غیر معروف قسم کے مقررین ڈائس پر ہاتھ مار مار کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں اور لوگوں سے باضابطہ اپیل کرتے ہیں کہ داد دینے میں کنجوسی نہ کی جائے اور اگر تقریب کسی شخصیت کے بارے میں ہو تو اس کے مشہور زمانہ اقوال و اشعار کو نہایت دلفریب انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ ان کے بعد "معززین" (جن کی خوشنودی کیلئے محفل بپا کی جاتی ہے) کی باری آتی ہے۔ وہ بڑے شاہانہ انداز سے ہاتھ اٹھا اٹھا کر لوگوں کی تالیوں اور نعروں کا جواب دیتے ہیں اور تقریب کی نوعیت کے اعتبار سے اپنے فہم و فراست اور علم و تدبر (جو کہ یا تو انتہائی محدود ہوتا ہے اور یا پھر ہوتا ہی نہیں) کے مطابق فلسفہ پیش کرتے ہیں اور تقریر کے اختتام پر ایک بار پھر ہاتھ ہوا میں بلند کرتے اور اگر ان کا تعلق اپوزیشن سے ہے تو انگلیوں سے (V) وکٹری کا نشان بناتے ہوئے دوبارہ نشست خاص پر براجمان ہوتے ہیں۔ بعض اوقات آخر میں اگر کسی جید مولانا صاحب یا ان کے حواریوں کا ڈر نہ ہو تو حاضرین کی تفریح طبع کیلئے ہلکا پھلکا موسیقی کا پروگرام یعنی ملی نغمے وغیرہ بھی پیش کر دیے جاتے ہیں۔ پروگرام کے بعد سامعین تو خراماں خراماں گھروں کو چلے جاتے ہیں لیکن منتظمین کی دوڑیں اخباروں کے دفاتر کی طرف لگ جاتی ہیں کہ کل کے اخبار میں ہماری تقریب کی خبر بمعہ تصاویر کسی واضح جگہ پر آنی چاہئے۔ تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

ہاں تو دوستو یہ تھا ہماری چیدہ چیدہ تقاریب کا مختصر سا خلاصہ' ہو سکتا ہے آپ سوچ رہے ہوں کہ اتنا کچھ لکھنے کے باوجود ابھی یہ مختصر ہے؟ تو یہاں پر ایک بات گوش گذار کرتا چلوں کہ ہمارے ہاں تقریبات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر ہر ایک کا ذکر مکمل تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم کتاب بھی کم پڑ جائے گی اور ویسے بھی ان کی تفصیل میں جانا ہمارا مدعا نہیں۔ اور نہ ہی کسی مخصوص گروہ یا طبقہ کا تمسخر اڑانا مقصود ہے۔ بلکہ یہ تو ایک ریفرنس (Reference) کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو باتیں آگے چل کر آئیں گی ان کے لئے اس پس منظر کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ بات یہ نہیں کہ ہم یہ تقاریب کیوں یا کس طرح مناتے ہیں۔ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ کیا ہم یہ سب کچھ کرنے کے اہل بھی ہیں یا نہیں؟ کیا ہم صرف بابرکت محفلیں سجا کر ہی اپنے گناہ بخشواتے رہیں گے یا اپنی برائی سے بڑھ کر بھلائی کے کام کر کے اپنے گناہوں کو دھونے کی کوشش کریں گے؟ کیا ہمیں صرف زبانی درود شریف پڑھنے سے ہی جنت کا پروانہ حاصل ہو جائے گا؟ یا اس کے لئے واقعی رسول اکرم ﷺ کی زندگی کو مشعل راہ بنا کر اپنی زندگی کو بھی جنت بنانے کی ضرورت ہے؟ کیا قرآن پاک کا احترام اسی طرح کیا جاتا رہے گا کہ اسے غلافوں میں لپیٹ کر اونچی پاک جگہوں پر رکھیں؟ یا اسے کھول کر اس میں چھپے ہوئے وہ خزانے بھی تلاش کرنا ہونگے جو آج تک ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں؟ کیا پاکستان اتنی قربانیاں دے کر صرف اسی لئے حاصل کیا گیا تھا کہ ہر 14 اگست کو پرچم کشائیاں کی جائیں اور ملی نغمے گائے جائیں؟ یا اس کے حصول کا کوئی اور مقصد بھی تھا؟ کیا ہم قومی تقاریب صرف مخصوص لوگوں کی توجہ اور اخبارات میں تصویریں اور خبریں چھپوانے کے لئے منعقد کرتے رہیں گے؟ یا ان کے ذریعے اصلاح معاشرہ اور بیداری شعور جیسے کام بھی لیں گے؟ کیا قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کو صرف ان کی پیدائش و وفات پر ہی یاد کرتے اور ان

کے اقوال و اشعار سناتے رہیں گے؟ یا ان کی زندگیوں سے بھی کوئی سبق سیکھیں گے؟

اب آپ ہی بتائیں کہ کیا ہمارے ذہنوں میں یہ بات ایمان کی حد تک راسخ نہیں ہو چکی کہ ہم چاہے جو کچھ بھی کریں' قیامت کے دن ہمارا تھوڑا بہت حساب ہو گا اور ہو سکتا ہے کچھ دیر یا دنوں کے لئے ہمیں جہنم میں بھی بھیج دیا جائے لیکن بالآخر ہمیں جنت میں ہی بھیجا جائے گا۔ کیونکہ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے اللہ کی چہیتی قوم ہیں اور ہمیں رسول اکرم ﷺ کی شفاعت پر زیادہ دیر تک جہنم میں رہنے نہیں دیا جائے گا۔ کہیں ہم نے یہ تو نہیں سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) کسی سیاسی پارٹی کا لیڈر ہے جو کہتا ہے کہ جو کچھ مرضی کرو' غریبوں کا حق مارو' چوری کرو' ڈاکے ڈالو' پرائے مال پر اپنا حق سمجھو' کسی کے عزت و وقار کی دھجیاں بکھیر دو لیکن ایک بات یاد رکھو کہ میری پارٹی نہ چھوڑو اور میرے آگے سر نہ اٹھاؤ' ہر وقت میرے نام کی مالا جپتے رہو' اٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر اور سبحان اللہ کے ورد کرتے رہو تو اس کے بدلے میں' میں تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بھی بانکا نہیں کر سکے گی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے عزیزان من! اللہ تو وہ ہے جو بار بار قرآن میں کہتا ہے کہ اے ایمان والو ایمان لاؤ۔ اب یہ ایمان والوں کا ایمان لانا کیا ہے؟ وہ تو ہر جگہ گذشتہ قوموں کی مثالیں دے دے کر سمجھاتا ہے کہ دیکھنا کہیں تم بھی انہی (گذشتہ تباہ شدہ اقوام) کی طرح نہ ہو جانا کیونکہ ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں کہ اگر تم بھی ان جیسے ہو جاؤ تو تمہاری جگہ پر کوئی دوسری قوم لے آئیں جو تم سے بہتر ہو۔ وہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ جو لوگ نماز صرف ریاکاری کیلئے پڑھتے ہیں ان کی نمازیں ان کے منہ پر مار دی جاتی ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہلاکت ہے ان نمازیوں پر جو یتیموں کی مدد نہیں کرتے اور باطل طریقوں سے ان کا مال کھاتے ہیں۔ وہ تو بڑائی اس کو دیتا ہے جس کا اخلاق و کردار اس کے بھیجے ہوئے ضابطہ اخلاق (قرآن) کا آئینہ دار ہے۔ پھر ہم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ دنیا بھر کی برائیاں سمیٹنے کے باوجود ہم اس کے چہیتے ہیں۔ خدا کسی کے لئے بھی اپنے قوانین کو تبدیل نہیں کرتا۔ قرآن خدا کا نافذ کیا ہوا آئین ہے کوئی حکومت پاکستان کا نہیں کہ جس میں جب جی چاہا اپنی مرضی اور حالات کے مطابق ترمیم کر دی اور جب دیکھا کہ اس سے اپنا بھی نقصان ہو رہا ہے تو واپس لے لی۔

میرے خیال میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ تلخی بھی بڑھتی جا رہی ہے اس لئے بات کو یہیں روک لیتے ہیں۔ یقین جانئے مسئلہ یہ نہیں کہ تقریبات منانے پر پابندی ہونی چاہئے یا خدانخواستہ یہ کوئی برا فعل ہے۔ کیونکہ زندہ قوموں کی یہی تو نشانی ہے۔ صرف یہ استدعا ہے کہ تقریب چاہے کسی بھی قسم کی ہو اس کا مقصد کم از کم خود نمائی یا ریاکاری نہیں ہونا چاہئے۔ ٹھیک ہے انسانی فطرت ہے کہ وہ غمی' خوشی پر اپنے جذبات کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جس انداز سے ہم خوشی منا رہے ہیں کہیں وہ دوسروں کی دل آزاری کا سبب تو نہیں۔ کہیں اپنے مطالبات منوانے کیلئے ہم نے غلط راستہ تو نہیں اپنایا۔ اپنا غم غلط کرنے یا اپنی محرومیوں کا بدلہ لینے کی خاطر دوسروں کیلئے رکاوٹ تو پیدا نہیں کر رہے۔ کیونکہ ڈر ہے کہ ہماری ان حرکتوں کی وجہ سے کہیں وہ دن ہی نہ آجائے (خاکم بدہن) کہ ہمارا کوئی وجود ہی باقی نہ رہے اور پھر دوسری قومیں ہماری یاد میں ایک دن منایا کریں جس کا نام ہو "یوم عبرت"۔ اور اپنے بچوں کو بتائیں کہ ایک قوم ہوا کرتی تھی پاکستانی' جس نے کتنی ہی عظیم قربانیوں کے بعد ایک ملک حاصل کیا لیکن پھر اتنی ہی بے دردی سے اسے لٹا دیا۔ کیونکہ خدا مہلت کا وقفہ ضرور دیتا ہے لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ وقفہ کب اور کہاں ختم ہو جائے۔ امید ہے کہ آپ میری ان باتوں سے اتفاق کریں گے اور آئندہ جب کبھی بھی کوئی تقریب منعقد کریں گے اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں کا احساس ضرور کریں گے۔ نا صرف تقاریب بلکہ تمام تر شعبہ ہائے زندگی میں ان باتوں کو مدنظر رکھیں گے۔

مرنے کے بعد کیا ہو گا؟

ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے، لیکن اس کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ انسانی ذہن اس کا جواب دے ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کا دائرہ کار دنیاوی زندگی تک محدود ہے۔

اس کا جواب قرآن مجید ہی دے سکتا ہے

کیونکہ وہ اس خدا کی کتاب ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ لیکن قرآن مجید کے ان حقائق کو سمجھنے کے لئے بڑے وسیع علم اور گہری فکر کی ضرورت ہے!

مفکر قرآن جناب پرویزؒ نے اپنے مدت العمر کے غور و فکر کے بعد ان حقائق کو اپنی معرکہ آراء تصنیف

جہان فردا

میں صاف، سادہ لیکن دلکش انداز میں پیش کر دیا ہے۔ اس میں موت و حیات، برزخ، حشر، نشر، قیامت، حساب کتاب، اعمالنامہ، میزان، جنت، دوزخ اور حیات جاوداں وغیرہ تمام مباحث آ گئے ہیں!

یہ بڑی بصیرت افروز اور حقیقت کشا کتاب ہے۔

قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ)

سٹوڈنٹ ایڈیشن Rs. 110/=

اعلیٰ ایڈیشن Rs. 220/=

منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ عنایت اللہ المشرقی

"تذکرہ" کے بصیرت افروز اقتباسات

1- **دین** :- جو بات حتمی اور قطعی ہے یہ ہے کہ زمین کا یہ کارگاہ جلیل کمال عدل و انصاف پر چل رہا ہے' صحت اور توازن سے چل رہا ہے' دھڑلے اور تمکنت سے' قوت اور زور سے چل رہا ہے۔ اس میں جو بات ہو رہی ہے نقد و نظر سے ہو رہی ہے' انتخاب و انتظام سے ہو رہی ہے' نظم و نسق سے اور غور و خوض سے ہو رہی ہے۔ اس کا محرک جل و علیٰ وہ مالک سمع و بصر ہے جو ہر شے کو بغور تمام دیکھ رہا ہے' پہنائے زمین کو دیکھ رہا ہے' نسل انسانی کو دیکھ رہا ہے' امتوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے' افراد کے سعی و عمل کو دیکھ رہا ہے' بد و نیک کو' کہ ومہ کو' شاہ و گدا کو' بالا و پست کو دیکھ رہا ہے۔ اس منظم اور مضبوط' اس لرزہ فگن اور صحیح حکمت کے اندر استبداد کی بو قطعاً" نہیں۔ ظلم قطعاً" نہیں' افراط و تفریط قطعاً" نہیں' نواب کی لا اوبالیت اصلاً" نہیں! میرا یقین ہے کہ ملکوت جہاں کی اس اہم شق کا علم سب انبیائے کرام کو ملا اور اسی آئین جزا و سزا کی خبر انہوں نے ڈنکے کی چوٹ دی۔ انہوں نے انسان کو اس زمین پر خوش اسلوبی سے رہنے کا ڈھنگ سکھایا۔ انہوں نے اجتماعی بقا کی راہ دکھلائی۔ انہوں نے اقوام کے مد و جزر کے اصول بیان کئے۔ حکومت خدا کو ظلم سے قطعاً" بری ثابت کر کے دنیاوی سزا کی تعیین کی' اخروی جزا و سزا کی تبیین کی' افراد کے طرز عمل کو ظاہر کیا۔ امتوں کو راہ راست پر چلا کر صدیوں تک تمکن اور دوام دے گئے۔ نافرمانوں کو ان کی آنکھوں سے سزا ملتی ہوئی دکھا گئے۔ یہی ان کا لایا ہوا "دین" تھا' اور اسی دین' (طرز عمل) پر چلنے کا خدا متمنی تھا۔

2- **مقام نبوت** :- نبی کی نبوت اس کے اپنے زمانے میں وہ لرزہ فگن اور سکون برانداز شے تھی کہ جو گروہ ان کے حلقہ اثر میں آجاتا تھا ان کے کہے پر یکسر عامل ہو جاتا۔ وہ رہنمائے جلیلؑ اپنے گردوں شگاف علم اور پیہم عمل سے اپنی یقین انگیز تعلیم اور حوصلہ افزا تدریس سے' اپنی پردہ کشا تبیین و تلقین سے قانون خدا اور اس کے امن افزا نتائج کو ہر مصاحب کی نظروں میں دو اور دو چار کی طرح عیاں کر دیتا' پھر عاملوں کا جم غفیر پروانہ وار اس کے گرد جمع ہو جاتا' اقل قلیل مدت میں وہ امت کامیاب اور فائز المرام ہو جاتی۔ اور سعی و عمل کے اس دارالمحن میں آئندہ نسلوں کو مدتوں عمل کی راہ دکھلاتی۔

کیا وہ سالار انبیاء اور ختم رسل محمد ﷺ جس کے آسمان شگاف علم و عمل کو دیکھ کر رحمت ایزدی کا موسلا دھار مینہ روئے زمین کو ابد الاباد تک تر بہ تر کرتا رہے گا' جس کے قانون بقا و فنا کی تبیین کو پا کر بر و بحر اور شمس و قمر اس پر سلام بھیجتے رہیں گے۔ جس کی قوت تغیر و انقلاب کا اندازہ کر کے مس خام کو کندن بننے کی دائمی آرزو رہے گی' کیا وہ سرور عالم فی الحقیقت ایک کنج نشین اور کملی پوش' ایک امی اور ناراز دان زاہد' ایک نماز گذار متوکل' اور فاقہ کش متقی' ہی تھا جس نے ایک اقل قلیل مدت میں عرب کی بے نام و نشان اور جمود زدہ قوم سے علم و عمل کے وہ آتشیں فوارے اکناف عالم میں رواں کئے کہ دنیا ہمیشہ تک ان کے کارناموں کو سن کر سر دھنا کریگی۔

3- **قرآن کریم** :- روئے زمین کے آسمانی کتب خانے میں صرف ایک قرآن ہے جو سب انسانی تصرف سے محفوظ رہا ہے۔

اس میں ایک حرف کے برابر کہیں تبدیلی نہیں ہوئی۔ الفاظ کی ترتیب میں' آیتوں کے الفاظ میں' سورتوں کی آیتوں میں یہ کتاب بعینہٖ وہی ہے' جو پیغمبر آخر الزمانؐ نے دنیا کو دی۔ کوئی تساہل' کوئی کوتاہ نظری' بددیانتی یا غرض مندی' اس کو پہلے دن سے نقل کرنے میں نہیں ہوئی' نہیں بلکہ اس کے ایک پرانے نسخے کے متعلق جدید انکشاف جو حال میں ہوا ہے اس نے حکماً" اور علماً" ثابت کر دیا ہے کہ یہ وہی ہے جو پہلے تھی' وہی ترتیب ہے جو ایک دفعہ مقرر ہو چکی تھی' وہی نص ہیں' وہی الفاظ ہیں' سینوں کے جوف میں ہے تو وہی ہے' اور کاغذ کے میدان میں ہے تو وہی ہے!

وحی کی سچی قدر' اس پر سچا اور بے ریا یقین' اس پر مسلسل اور نتیجہ خیز عمل' اس پر کامل اور لا ینفک اتحاد درحقیقت علم ہی سے ہو سکتا ہے اور وہی صراط مستقیم صحیح معنوں میں بقا انگیز اور تقدم خیز ہے جس کے مسلمہ اصول کی تائید براہ راست وحی سے ہوئی ہو۔

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس قانون خدا اور امر رب العالمین کی حقیقت تک بہ تمام و کمال پہنچنے کے لئے قرآن کریم سے بہتر' کامل تر' واضح تر' اور صحیح تر آسمانی کتاب اس دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ سب آسمانی صحیفے اپنے اپنے وقت نزول سے آج تک کم و بیش لفظی تحریف کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر کے الفاظ ہی روئے زمین سے کیتاً" ناپید ہیں۔ اکثر میں مرور وقت کے باعث رد و بدل وارد ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ خود حاملان وحی کو اس حقیقت کا اعتراف ہے۔ لیکن لفظی تحریف کا گناہ عظیم انسان نے کم از کم اس کتاب کے بارے میں حتماً" نہیں کیا۔ قرآن حکیم کے مطالب اور مقاصد میں اگرچہ بے معنوی تحریف ہو چکی ہے۔ اس کا اصلی اور نبوی منشاء جلا اور علماء کی متفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہو گیا ہے۔ اس کے معانی پر بے حد شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں اس کے کسی ایک امر مہم کا الٰہی مفہوم صحیح طور پر مسلمانان عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا۔ اس کے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود رہ گیا ہے۔ اس کو لوگ جو کچھ مان رہے ہیں مونہوں اور لفظوں' پھوکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں۔ لیکن اس کے الفاظ بعینہٖ اور باصلہ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب ان کو بدل نہیں سکتا۔ ان کی کچھ کتر بیونت نہیں کر سکتا۔ محقق کے لئے اس کتاب کا روئے زمین پر موجود ہونا ایک غیر مترقبہ نعمت اس لئے ہے کہ صحف آسمانی کے اضافی مطالعے میں قرآن حکیم کے الفاظ اور تحقیق شدہ مطالب کی رہنمائی صحیح منشائے خدا کی طرف سچی رہنمائی ہے۔ جہاں اور سب کتب آسمانی اپنی موجودہ حالت میں کسی ایک امر کے بارے میں کوئی حکمی فیصلہ نہیں کر سکتیں وہاں قرآن اس امر کے متعلق اپنا قطعی اور آسمانی فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو مشترک باتیں آسمانی صحائف میں اس وقت پائی جاتی ہیں اور جن کا وجود اس آخری کتاب سے بھی ثابت ہے' ان سب کا قرآن صحیح معنوں میں مصدق بن جاتا ہے۔ اس مقام نظر سے اگر کسی مزعومہ آسمانی کتاب کے اکثر مضامین اور قرآن کے مابین کوئی مابہ الاشتراک ثابت ہو گیا ہے تو اس مزعومہ کتاب کا اس کے اپنے عہد نزول میں منجانب اللہ ہونا بھی محقق ہے۔ الغرض مذہب کو علم کے بلند درجے تک پہنچانے کے لئے یہ گوہر نایاب از بس بے بہا اور گراں مایہ ہے۔ طالب حقیقت کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اس کے پاس کم از کم ایک ایسی کتاب موجود ہے جس کو خدا کے ہاں سے براہ راست ہونے کا ادعا ہے اور جو اب نامحرف اور بے غل و غش خالص ہے۔

یہ وہ خیالات ہیں جن کی بنا پر میں اس کتاب کو ساکنان زمین کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ قرآن حکیم اپنی جامعیت اور مانعیت میں' اپنی حجت اور حکمت میں' اپنے علم و خبر میں وہ فقید المثال کتاب ہے کہ اس کا علم انسانی دانست کے ہر ممکن معراج سے بالاتر ہے۔ سب آسمانی کتابیں قانون خدا اور دین فطرت کے صرف بعض یا اکثر حصوں کو پیش کرتی ہیں مگر یہ نادر الوجود صحیفہ اس کو بہ تمام

و کمال پیش کر رہا ہے۔ انسانی معاشرت اور تمدن' دنیاوی بہبود اور امن' علمی تقدم اور عمران' عملی فوقیت اور اقدام کا کوئی شعبہ نہیں' جس کو حاصل اور برقرار رکھنے کے لئے اس کے اندر مکمل اور معنی خیز ارشادات نہ موجود ہوں۔ تہذیب کے ہر مرحلے میں' عمران کی ہر منزل میں' تقدم کے ہر قدم پر یہ کتاب انسان کے لئے سچی رہنما ہے۔ اس کی انگشت زنہار لا محالہ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے جس طرف بالاخر نقصان ہے۔ اجتماعی ضعف ہے۔ مجموعی موت ہے۔ اس کا بے خوف و خطر حکم اسی صراط مستقیم کی طرف ہے جس پر چل کر امن ہے' خلد و بقا ہے نعمت اور عزت ہے۔ اس کا اہم ترین مطمح نظر امتوں کی اجتماعی حالت کی اصلاح ہے' لیکن اس مجموعی بست و کشاد کے ضمن میں اس نے افراد کی شخصی فلاح کا اٹل دستور العمل بھی پیش کر دیا ہے۔ اس کو روئے زمین پر بھیجنے والا وہ صاحب علم و خبر' وہ مالک سمع و بصر' اور وہ عالم الغیب و الشہادۃ ہے کہ بنی نوع انسان کے انتہائی ارتقاء کو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس پہلے دیکھ رہا ہے' صد ہا برس کے گذشتہ واقعات کی سند پیش کر رہا ہے۔ امن کے لازمات کی طرف اشارہ کر رہا ہے' خوف کے مقامات سے ڈرا رہا ہے۔ الغرض جو کچھ کہہ رہا ہے قوت اور زور سے کہہ رہا ہے' یقین اور وثوق سے کہہ رہا ہے' غنا اور بے نیازی سے کہہ رہا ہے۔ اس کا قانون اس قدر مکمل ہے کہ نارسا نظریں اس میں عیب نکالتی ہیں۔اس میں کجی دیکھتی ہیں۔ اس کے متعلق شکوک پیدا ہوتے ہیں مگر علم کی وسعت اور بلند بینی پھر ان شکوک کو مشکوک کر دیتی ہے۔ ہر شک کے متعلق نئے احوال' نئی معلومات' نئے مقام نظر آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور شک کو بالاخر درماندہ اور سپر انداختہ کر دیتے ہیں۔ مقام نساء' تعدد ازدواج' ممانعت خمر' معاشری مساوات وغیرہ وغیرہ' چند در چند ایسے مسئلے ہیں جن کے متعلق دنیا' تمدن کے اس مرحلے میں مشکل سے ایک رائے و یک زبان ہو سکے گی۔ ان پر جب تک انسانی فطرت کا علم نامکمل ہے بحث کا سلسلہ جاری رہ سکے گا مگر ان مباحث دقیقہ کے متعلق قرآن کے قطعی اور حکمی فیصلے وہ ہیں جن پر دنیا کی عام رائے کا اہم ترین حصہ نامحسوس طور پر متفق ہو رہا ہے! وہ وہی ہیں جو تلخ تجربوں' فطری گناہ کی سزاؤں' پشتینی غفلتوں کے سم آلود نتیجوں' افراط و تفریط کے مہلک اور قاطع النسل اثرات اور ترقی علم سے اخذ ہو کر دنیا کو نئی راہوں پر لگا رہے ہیں۔ دنیا کسی شش و پنج میں گرفتار رہے۔ صراط مستقیم کی تلاش میں یہ غلط اور وہ صحیح بار بار کہتی رہے۔ زید سے ہٹ کر عمرو کی طرف اور عمرو سے بکر کی طرف راجع ہو' مگر قرآنی محاکمے ناقابل بدل اس لئے ہیں کہ بالاخر انسانی طبیعت انہی کی طرف مائل ہو کر رہے گی۔ اپنی فطرت سے بے خبر انسان انہی پر مجبول ہے۔ انہی سے ہٹ کر شکست و ریخت ہے۔ انہی پر چل کر حفظ و امن ہے! جہاں افسردگی ہے' اسی کے عنیان سے ہے' جہاں بالش ہے اسی کو مان کر ہے۔ قرآن کا بتایا ہوا اسلام ایک فطرت ہے۔ جس پر سب انسانی بلا امتیاز رنگ و ملک مخلوق ہے۔ اس میں کوئی تبدل اور تحول اصلاً" اور قطعاً" نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کے سوا کوئی دوسرا خط مستقیم ہدایتہ" ممکن نہیں'البتہ اگر لوگ اس کی تلاش میں ایک راہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر چل رہے ہیں تو اس کی وجہ کمی علم ہے۔ جس دن فطرت انسانی کا علم مکمل ہو جائے گا' صراط مستقیم' سورج کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے زیادہ روشن تر حقیقت ہو جائے گی۔ اسی بنا پر قرآن نے اپنے بنائے ہوئے صراط مستقیم کے بارے میں کہا ہے کہ **فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون** ○ (الروم 30)۔

اس کا کمال عاطفت یہی ہے کہ اعلان کر دیا جائے کہ یہ کتاب مکمل ہے' مفصل ہے' گنجینہ علم و حکمت ہے انسان سے اس کا مثیل پیدا ہونا محال ہے' آسان ہے' مبین ہے' اختلاف سے مبرا ہے۔ صاحب علم و فکر قوم کے لئے ہے' ہدایت اور رحمت ہے' نور و شفا ہے' مربوط ہے!

4- **مادہ پرست یورپ کی غلطی**:- مغرب کے وارثان علم بھی آج اپنی تمام تحقیق و تدقیق کو اشیائے فطرت کے خواص اور اجسام کائنات کے حقائق کی تلاش میں وقف کر رہے ہیں- وہ اپنا سب زور اسی میں صرف کر رہے ہیں کہ ابدان کا صحیح علم حاصل کریں- اور اس کی وساطت سے ترقی کے بام رفیع پر چڑھیں- ان کا علم آج فلک الافلاک کی بلندیوں اور تحت الثریٰ کی گہرائیوں تک ہاتھ پیر مار رہا ہے' فطرت کی صحت اور دقت پر' اشیاء کی لامتناہی ممکنات اور امن افزا کیفیات پر ان کو یہ صبر گسل یقین ہے کہ کائنات کے ہر جز لا ینجزے کے اندر ان کو ایک پہاڑ پوشیدہ ہونے کا امکان نظر آرہا ہے- وہ اس موشگافی اور دقیقہ آرائی میں عمریں صرف کر رہے ہیں- جانیں فدا کر رہے ہیں- حیرت انگیز اصنعافی قوت کی دوربینیں اور خوردبینیں' دقیقہ رس آلات اور میزانیں اس اعجوبہ گاہ فطرت کے ہر ذرے کو بغور تمام پرکھ رہی ہیں- لیکن خدا کے کہے ہوئے الفاظ ان کے نزدیک کچھ لائق التفات نہیں' کچھ قابل تفتیش نہیں- کچھ مجمل اور حامل المعانی نہیں- کچھ وقت نظر کے محتاج نہیں- کچھ دوربینی اور خوردبینی امتحان کے اہل نہیں- علم الابدان سے مغرب کو یہ انتہائی شغف ہے- لیکن علم الادیان کی طرف یہ بے توجہی ہے-

یہی وجہ ہے کہ اشیائے فطرت کے بے مثال علم اور ابدان عالم کے متعلق صحیح خبر کے باوجود مغرب کا روئے زمین پر دوام از بس مشتبہ امر ہے- وہ علم الدین سے کماحقہ' بہت کم واقف ہیں- ان کو اس دنیا کے اندر صراط مستقیم کے ایک اہم حصہ کی کچھ خبر نہیں رہی- سیاست اور مادیت کے ناروا غلو نے نامعلوم طور پر یہ بات ان کی گھٹی میں ڈال دی ہے کہ اس دنیا کی اصلحیت' محض جسمانی زور اور مادی طاقت ہی ہے- یہی کمتر مخلوق کے اخلاق کا جز و اعظم ہے' اسی کے اندر بقائے انواع کا راز ہے! وہ اس مادی زور کو بدرجہ اتم حاصل کرنے کے لئے سب ممکن اشیائے کو کرایہ پر لے رہے ہیں اور ان کی وساطت سے زور آور بنتے ہیں لیکن افراد کی روحانی صلاحیت اور تہذیب نفس کے آسمان شکن زور کی ان کو کچھ خبر نہیں- وہ اپنی باطنی ملکوتی طاقتوں کو مادیت کی بے جان قربان گاہ پر چڑھا رہے ہیں اور بے رحم زمانے کے ہاتھوں جلد مٹ رہے ہیں! اسی غیر روحانی اور کرایہ پر لئے ہوئے زور کی اشد شدید مسخ المانیہ کی بے مثال جبذیت تھی جس کا بیشتر حصہ جال کے محاربہ عظمیٰ (جنگ 18-1914) میں تباہ ہوا اور اسی خواہش کا ادنیٰ مظہر انگریز کی قزاقانہ جوع الارض ور اس کا تحکمانہ استیلا ہے جو آج اس کی اجتماعی بیخ و بنیاد کو کھوکھلا کر رہا ہے!

الغرض جہاں نقد پسند مغرب صلاحیت کو جسمانی قوت کی پیدا کی ہوئی سیاست کے ماسوا کچھ اور سمجھتا گناہ سمجھتا ہے اور مذہب کے اجنبی اور ناخوش آئند مہمان کو اس کے اصلی وطن (ایشیا) میں دھکیل کر زور کی اکڑ پر اس دنیا میں دوام کی لاطائل سعی کر رہا ہے وہاں مشرق کا نسبہ پسند ابلہ روحانیت کے اصلی مفہوم کو خیرباد کہہ کر کمزوری اور جمود کی پاکبازی اور ہمہ فروشی سے ہی اپنے آپ کو صالح اور اپنے ہاتھوں آپ مٹ رہنے میں بقا کا راز عبث ٹٹول رہا ہے-

میرا یقین ہے کہ سعی و سکون کے یہ دونوں مناظر افراط و تفریط کے مناظر ہیں' فنا و استہلاک کے مناظر ہیں' حفظ و امن کے مناظر نہیں! اس دنیا کی چار دیواری میں رہ کر کسی قوم کا سچا مذہب اس کے دوام و بقا کا مذہب ہی ہے- اور یہی سچی سیاست اور سچی صلاحیت ہے- دوام کے لئے جہاں اشد شدید زور کی قطعی ضرورت ہے وہاں اس زور کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی تزکیہ نفس واحد اور آخری وسیلہ ہے- بہت ممکن ہے کہ کرایہ پر لئے ہوئے انسانوں یا زر کے منتظر مزدوروں کی ایک جماعت اس دنیا کے اندر چند لمحوں کے لئے زور پیدا کر دے- اس میں سب لازمات غلبہ و استیلا کے موجود ہوں' اس میں جو بات ہو لاجواب اور بے مثل نظر آئے- زور آوروں میں اشد زور ہو' کمزوروں میں اشد کمزوری ہو' ایک طرف کمال بہجت و انبساط ہو' دوسری طرف انتہائے عجز ہو- لیکن ایسے زر خرید زور کو دوام قطعاً" نہیں- اس میں اصلاح کی باطنی استقامت نہیں-

اس میں بلور کی انکساری صلاوت موجود ہے۔ لیکن فولاد کی اندفاعی لچک قطعاً نہیں۔ ایسی بنا کی مثال ایک مکڑی کے جالے کی ہے جس کو باد تند کا ذرا سا جھونکا کالعدم کر دیتا ہے اور بعد ازاں اس دل آویز تعمیر کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یورپ کے تمدن کا جزو اعظم ہی کمزوری اور نا دوربینی پر مبنی ہے۔ اقوام کے اس دنیا میں بقا کے لئے ضروری ہے کہ اس کے افراد کا تعلق حتی الوسع صانع فطرت کے اخلاق سے مماثل ہو۔ اشرف الخلق انسان سے کسی برتر مخلوق بننے کا تہیہ ہو' نہ یہ کہ سفلی پیدائش سے ارتقاء کیا ہوا انسان' پھر اسی درک اسفل کی طرف لوٹ آئے۔ ایسی تہذیب اپنے پاؤں پر آپ بتر مار رہی ہے گو کہ اپنے زور کے نشے میں وہ فی الحال اس قدر مست ہو کہ اس خودکشی کا کچھ اندازہ نہ کر سکے۔

میرا یقین ہے کہ مغرب کو ایک نہ ایک دن اعمال خدا کے مشاہدے کو کچھ مدت کے لئے ملتوی کر کے الفاظ خدا کے مطالعہ کی طرف آنا پڑے گا۔ اس دن ان کی سب حیرت اور تذبذب حالت تیقن میں بدل جائے گی۔ صراط مستقیم کے بارے میں ان کے سب شکوک رفع ہو جائیں گے۔ صلاح کا اکثر غلط تخیل درست ہو ہو کر مکمل ہو جائے گا۔ ان کے علم فطرت سے مستنبط کئے ہوئے اکثر معاشری اور تہذیبی اصول کی تائید ہزاروں برس پیشتر کے کہے ہوئے الفاظ سے حیرت انگیز طور پر ہو گی۔ ان کو انبیاءؑ کے اس دنیا میں علمی مقام کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔ اپنی غلط روی کے متعلق صحیح اور نتیجہ خیز معلومات ملیں گی۔ صحیح روی کی الٰہی اور سرکاری سند مل جائے گی۔

5- **وحدت ملت** :- میں اسلامی جماعت کے اندر سب نظری اور اعتقادی' سب اقوالی' اور اعمالی' سب اتباعی اور غیر اتباعی' سب شرعی اور فقہی تفرقے کے برخلاف ہوں۔ سب کو علانیہ مٹانا چاہتا ہوں۔ سب مشیعوں اور مطاعوں' مریدوں اور مرادوں کو خدا کی سرزنش کا قطعی اہل اور عذاب آخرت کا قطعی مستوجب سمجھتا ہوں۔ لیکن بایں ہمہ اگر کوئی شخص یا جماعت اس کتاب کے کامل مطالعے کے بعد عقیدتاً" یا عملاً مجھ کو اسلام کے کسی نئے فرقے کا رہ نما تصور کرے تو وہ میری دانست میں نہ صرف مجھے حصب جہنم بنا رہی ہے بلکہ آگے چل کر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ابد آلاباد تک جلتے رہنا اسی کا حصہ ہے۔

اسلام میرے نزدیک سب اولیا و اصفیا سے گزر کر صرف محمد (صلعم) کی پیروی ہے' نہیں اس کے لائے ہوئے قانون کی پیروی ہے۔ انبیاءؑ کے لائے ہوئے طریق عمل (دین) کی پیروی ہے۔ قانون خدا کی پیروی ہے۔ آئین رب العالمین کی پیروی ہے۔ قانون فطرت کی پیروی ہے۔

6- **علم و عمل** :- ہاں قرآن کو میں سرتاپا علم ثابت کرنا چاہتا ہوں مگر اسلام میرے نزدیک سرتاپا عمل ہے۔ اس کی توحید عمل ہے۔ اس کا ایمان عمل ہے' اس کا اتقا عمل ہے۔ اس کی عبادت عمل ہے' اس کا صراط مستقیم عمل ہے۔ اس کا شرک بدکاری ہے۔ اس کا کفر بدنظمی ہے' اس کا فسق بدعملی ہے' اس کا عمل امت کا اجتماعی عمل ہے۔ متحدہ اور متفقہ عمل ہے۔ ہاتھوں اور پیروں کا عمل ہے' دلوں اور جگروں کا عمل ہے۔ طاقت اور زور کا عمل ہے۔ دکھ اور تکلیف کا عمل ہے۔

(اشتہار)

بزم طلوع اسلام لاہور کے ایک رکن کے مالی تعاون سے علامہ رحمت اللہ طارق کی کتاب

تفسیر بیان القرآن =/270 روپے' تفسیر منسوخ القرآن =/270 روپے (محدود تعداد)

رابطہ فون نمبرز : 6854528--6824077

وہ کون سا دماغ ہے ___

جس میں ___ اِس قِسم کے سوالات نہیں اُبھرتے کہ:

- کیا انسان کی قسمت پہلے سے لکھی ہوتی ہے؟ ○ کیا سب کچھ خُدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟
- کیا غریبوں کی قسمت ہی ایسی ہے کہ وہ ساری عُمر دھکّے کھاتے رہیں؟ ○ کیا خُدا کو ایسا ہی منظور ہے؟
- کیا موت کا ایک دن مقرر ہے یا وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتی ہے؟
- بعض بچے پیدائشی اندھے، لُولے، لنگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ بھی خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟
- اگر خُدا کے ہاں عدل ہے تو وہ ظالموں کو ظلم سے کیوں نہیں روکتا؟
- کیا دُعا سے تقدیر بدل جاتی ہے؟ اگر نہیں بدلتی تو ہم دُعا کیوں کرتے ہیں؟

یہ، اور اِسی قسم کے دیگر سوالات کا تعلق **مسئلۂ تقدیر** سے ہے جس نے انسانی ذہن کو ہمیشہ طلسمِ پیچ و تاب بنائے رکھا ہے۔

یہی وہ مسئلہ تھا جس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے **کارل مارکس** نے کہہ دیا کہ:

مذہب عوام کے لیے افیون ہے

جنابِ **پرویز** نے ___ دُنیا کے اِس مُشکل ترین مسئلہ کو ___ اپنی تصنیف

کتابُ التقدیر

میں، قرآنِ کریم کی روشنی میں، اس عُمدگی سے حل کر دیا ہے کہ اس کے بعد ذہن میں کوئی خلجان باقی نہیں رہتا۔

قیمت: سٹوڈنٹ =/125 --- اعلیٰ =/250

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اسلم نوید

دو قومی نظریہ اور جماعت اسلامی کی قلابازیاں

27 اگست کے روزنامہ جنگ کوئٹہ میں جناب امیر جماعت اسلامی بلوچستان کا بیان پڑھا کہ

"مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ پیش کیا تھا لیکن وہ اس کی کوئی علمی توجیہہ پیش کرنے سے قاصر تھی۔ یہ مولانا سید مودودی ہی تھے جنہوں نے دو قومی نظریے کے فلسفے کو علمی استدلال اور کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کر کے تحریک پاکستان کو تقویت دی"۔

قارئین کرام! ہمیں اپنی سمع و بصر کے بارے میں قدرت کے ہاں جواب دینا ہو گا۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے جو حقائق امانت دانست میں ہیں پیش خدمت ہیں مگر ابتدا میں تین دستاویزی شہادتیں حاضر ہیں۔

نمبر ا۔ بانی جماعت اسلامی جناب مولانا سید مودودیؒ کا بیان جو 22 اپریل 1970ء "ایشیا" میں شائع ہوا تھا۔

"اقبالؒ نے ایک علیحدہ مملکت کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے یہ واضح طور پر کہا تھا کہ اس سے سیاسی آزادی مقصود نہیں بلکہ اسلام کی حفاظت مقصود ہے۔ اقبالؒ نے آپ کو نظریہ دیا اور قائداعظمؒ نے اس نظریہ کی بنیاد پر ایک وطن حاصل کیا"۔

دوسرا بیان ہے سابق امیر جماعت اسلامی جناب میاں طفیل محمد صاحب کا جو روزنامہ نوائے وقت لاہور بابت 17 جولائی و مئی 1976ء میں شائع ہوا۔

"نظریہ پاکستان مولانا مودودیؒ نے دیا تھا"۔

تیسرا بیان جناب امیر بلوچستان جماعت اسلامی مولانا عبدالحق صاحب کا ہے جو روزنامہ مشرق، کوئٹہ 27 اگست 1999ء میں شائع ہوا ہے۔

"مولانا مودودی نے دو قومی نظریے میں جان پیدا کی"۔

ظاہر ہے ان تین بیانوں میں کوئی ایک درست ہے۔ کونسا درست ہے، یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑ کر آگے بڑھتا ہوں۔ دو قومی نظریہ کس نے پیش کیا اور اس کا علمی استدلال کون دے گیا، یہ اس وقت کی بات ہے جب علامہ اقبالؒ قائداعظمؒ اور مولانا مودودی صاحب ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ 1867ء میں سرسید احمد خانؒ بنارس کے کمشنر، مسٹر شیکسپیئر کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

"ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ یہ دونوں قومیں اب کسی کام میں بھی دل سے شریک نہیں ہو سکیں گی۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا جوں جوں وقت گزرتا جائے گا یہ مخالفت اور عناد ان ہندوؤں کے سبب سے ابھرے گا جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں جو زندہ رہے گا، وہ دیکھے گا"۔

سرسید احمد خان نے اس وقت دارالعلوم کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ یاد رکھو سب سے سچا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اسی پر یقین رکھنے سے ہماری قوم، ہماری قوم ہے اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے۔ پھر اگر تم آسمان کے ستارے بھی ہو گئے تو کیا؟ مجھے امید ہے کہ تم علم اور اسلام دونوں باتوں کے نمونے ہو گے اور جبھی ہماری قوم کو حقیقی عزت نصیب ہو گی"۔

یہ تھی برصغیر میں دو قومی نظریے کی ابتدا اور اس کا

علمی استدلال کہ جس کی کلمہ طیبہ بنیاد نہ رہے وہ قوم سے کٹ جاتا ہے' وہ دوسری قوم کا ہو جاتا ہے ہندوؤں کا اس کلمہ سے کوئی تعلق ہی نہیں تو یہ ایک قوم کیسے کہلا سکتی ہے۔ جسے اقبالؒ نے اور قائداعظم نے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھایا کہ :

"پاکستان اسی دن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم۔ مسلمان ہوا تھا یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی"۔

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ قائداعظمؒ کا خطاب)

فرنٹیئر مسلم لیگ پشاور کی کانفرنس میں فرمایا۔

"مسلمان پاکستان کا مطالبہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس میں اپنے ضابطہ حیات' ثقافتی نشوونما' روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں"۔

نہ معلوم دو قومی نظریہ اور علمی استدلال کے جماعت اسلامی کے نزدیک کیا معنے ہیں جو کہ مسلم لیگ پیش کرنے سے قاصر رہی۔

رہ گیا جناب امیر بلوچستان جماعت اسلامی کا تازہ بیان 26 اگست 99ء روزنامہ جنگ کوئٹہ کہ

"جماعت اسلامی نے تشکیل پاکستان میں اہم کردار ادا کیا"۔

یہ اہم کردار کس طرح ادا کیا تھا اگر اس کی وضاحت بھی فرما دیتے تو زیادہ مناسب تھا۔ مگر شاید آزادی سے یہی مراد ہے کہ جو چاہے کہہ ڈالو' نہ حوالے کی ضرورت ہے نہ کوئی پوچھنے والا۔ میرے پاس چونکہ حوالے امانت ہیں سو حاضر ہیں تاکہ ادھورے حقائق مکمل ہو کر سامنے آسکیں۔ یہ سچ ہے کہ 1933-34ء میں جب مولانا سید مودودی صاحب ماہنامہ ترجمان القرآن کی ادارت کا فریضہ سنبھال چکے تھے تو اپنے رسالے میں ایسے مضامین بھی لکھنے شروع کر دیے تھے جن سے علامہ اقبالؒ و سرسیدؒ کے نظریہ قومیت کی تائید ہوتی تھی لہٰذا حامیان تحریک پاکستان و اقبالی حلقہ میں جناب سید مودودی صاحب متعارف ہوتے گئے اور بعد میں علامہ اقبالؒ ہی کے ایما پر حیدر آباد سے دارالسلام (پٹھانکوٹ) تشریف لائے۔ یہاں پہنچ کر بھی ایسے مضامین لکھتے رہے جن سے تحریک پاکستان کے بنیادی اصولوں کی تائید ہوتی تھی۔ یہ 1937-38ء کی بات ہے اور ان کی مقبولیت میں اس حوالے سے بڑا اضافہ ہوا۔ یہ مضامین بعد میں ان کی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ اول و دوئم میں شائع ہوئے جن کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ یہ چھٹے ایڈیشن سے ہیں جو تقسیم ہند سے پہلے کی شائع شدہ ہے۔

فرمایا 1-

"پچھلے باب میں ہم نے محض سرسری طور پر مسلمانوں کو اس انقلاب سے آگاہ کیا تھا جو عنقریب ہندوستان میں رونما ہونے والا ہے اور جس کے آثار اب پوری طرح نمایاں ہو چکے ہیں۔ ہمارا اصل مقصد مسلمانوں کو اس نئے آنے والے انقلاب میں اپنے قومی تشخص اور اپنی تہذیب کی حفاظت کے لیے تیار کرنا ہو گا۔" (جلد اول صفحہ 19)

پھر فرمایا 2-

"صاف سن لیجئے کہ اس مرحلہ پر مسلمانوں کو کانگریس کی طرف دعوت دینا دراصل ان کو خودکشی کا مشورہ دینا ہے"

(جلد اول صفحہ 40)

پھر فرمایا 3-

"مسلمانوں کی حیات قومی کو برقرار رکھنے کے لیے وہ چیز بالکل ناگزیر ہے جس کو آج کل سیاسی اصطلاح میں سلطنت کے اندر سلطنت (State Within State) کہا جاتا ہے۔ ان کی سوسائٹی جن بنیادوں پر قائم ہے وہ استوار ہی نہیں رہ سکتیں جب تک کہ خود ان کی اپنی جماعت میں کوئی قوت ضابطہ اور ہیئت حاکمہ موجود نہ ہو۔ ایسی ایک مرکزی طاقت کے بغیر کسی غیر مسلم نظام حکومت میں رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کا اجتماعی نظام رفتہ رفتہ مضمحل ہو کر فنا ہو جائے گا اور وہ بحیثیت ایک قوم کے زندہ ہی نہ رہ سکیں گے"۔ (جلد اول صفحہ 41)

پھر فرمایا 4-

"اس وقت مسلمانوں کی جو حالت ہے اس کو دیکھتے ہوئے شاید

بعض لوگ یہ خیال کریں گے کہ ایسا ہونا محال ہے..... مگر میں سمجھتا ہوں کہ ابھی اس قوم کو سنبھالنے کا آخری موقعہ باقی ہے۔ ہمارے خواص خواہ کتنے ہی بگڑ چکے ہوں مگر ہمارے عوام میں ابھی ایمان کی دبی ہوئی چنگاری موجود ہے اور وہی ہمارے لیے آخری شعاع امید۔" (جلد اول صفحہ 44)

پھر فرمایا 5۔

"مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ ایک قومیت بنانے اور اس میں جذب ہو جانے کیلئے تیار نہیں ہو سکتے۔" (جلد دوئم صفحہ 50)

پھر فرمایا 6۔

"(نیشنلسٹ مسلمان) اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ دنیائے اسلام کو انگریز امپیریلزم کے پنجے سے چھڑانے کی' اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ آزادی ہند کی اس تحریک کا ساتھ دیا جائے۔ اب اگر اس میں ہندوستان کی مسلمان قوم ختم ہو جائے تو پروا نہیں"۔ (جلد دوئم صفحہ 192)

مزید فرمایا 7۔

"ایسا جمہوری نظام جب ایک چھوٹی قوم اور ایک بڑی قوم کو ملا کر بنایا جائے تو عملاً وہ چھوٹی قوم کو بڑی قوم کا محکوم بنا دے گا۔ اس میں بڑی قوم کو خود اختیاری ملے گی اور چھوٹی قوم کو بے اختیاری"۔ (جلد دوئم صفحہ 200)

پھر فرمایا 8۔

"ان تصریحات سے یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ہمارے اور (آزادی ہند کی وطن پرستانہ) تحریک کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں۔ ہماری موت اس کی زندگی ہے' اس کی موت ہماری زندگی ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان اصول میں۔ مقاصد میں۔ اور طریق کار میں نہ صرف یہ کہ کسی قسم کا اتحاد نہیں بلکہ درحقیقت کلی اختلاف ہے۔ ایسا شدید اختلاف کہ کسی ایک نقطہ پر بھی ہم اور وہ جمع نہیں ہو سکتے۔"

پھر فرمایا 9۔

"مسلمانوں کو اپنے نام "مسلم" پر بڑا فخر ہے۔ خدا کا رکھا ہوا نام۔ اور وہ نام جس سے بڑھ کر عزت و افتخار کا نام آج تک دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں"۔ (جلد دوئم صفحہ 63)

یقیناً یہ تمام مضامین۔ قائداعظمؒ مسلم لیگ اور اس کے جھنڈے تلے چلائی جانے والی تحریک پاکستان کی بھرپور تائید میں جاتے ہیں۔ اس طرح مسلسل 2 سال (تقریباً) مضامین کی اشاعت سے جو مقبولیت ہونا تھی وہ ظاہر ہے مگر اس تاریخی حقیقت کا اگلا اور تلخ ترین حصہ پیش کرنے سے پہلے میں سید مودودی صاحب کی ارتقائی تبدیلیوں کی مثال بھی پیش کرتا چلوں۔ ہوا یوں کہ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تابع ہندوستان میں ایک وفاقی حکومت قائم کرنے کا تصور دیا گیا تھا۔ مسلم لیگ کے مطالبہ علیحدگی کے جواب میں انگریز اور ہندوؤں کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں علیحدہ حکومت قائم کر کے ہندوستان کے مرکز کے ساتھ اس کا وفاق قائم کر دیا جائے۔ قائداعظمؒ نے اس تجویز کی شدت سے مخالفت کی۔ عین اس زمانے میں سید مودودی صاحب نے تقسیم کے کچھ خاکے پیش کیے۔ جن میں انتہائی خاکہ یہ تھا کہ

فرمایا 10_

"مسلمانوں کی قومی ریاستوں کا علیحدہ وفاق ہو اور ہندو ریاستوں کا جداگانہ وفاق اور پھر ان میں کنفیڈریشن پیدا کر لی جائے جس کی رو سے۔ دفاع' مواصلات' تجارتی تعلقات کے لیے باہمی تعاون کر لیا جائے بالفاظ دیگر یہ شعبے مشترک ہوں۔" (جلد دوئم صفحہ 214_208)

نوٹ فرمایا آپ نے! ان کے پہلے فرمان نمبر 8 میں ہے کہ

"کسی ایک نقطہ پر بھی ہم اور وہ جمع نہیں ہو سکتے"۔

اور مندرجہ بالا فرمان نمبر 10 میں تو کئی شعبوں میں اشتراک ممکن ہے۔۔ قارئین کونسا بیان درست مانیں گے۔

پھر فرمایا 11۔

"آج جو لوگ اسلام کے تحفظ کی بس یہی ایک صورت دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر چند گوشہ ہائے

عافیت میں پہنچا دیا جائے' افسوس ہے کہ وہ اسلام کے امکانات سے ناواقف ہیں"۔ (جلد سوئم صفحہ 58)

یہ بیان سابقہ فرمان نمبر3 اور 5 سے کس طرح متصادم ہے۔

ہم اب جناب سید مودودی صاحب کے مزید ارتقائی منازل کی طرف آتے ہیں۔ ان کے یہ ارتقائی مضامین بعد میں ان کی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوئم میں شائع ہوئے۔ یہ 1941ء کے بعد کا ایڈیشن ہے اور آری پریس دہلی سے شائع شدہ ہے۔

یاد رہے جب قائداعظمؒ اور مسلم لیگ' اسلام کی بنیاد پر دو قومی نظریہ کے تحت مملکت کے حصول کے لیے ہندو اور انگریز کے ساتھ آئینی معرکہ آرائی میں عروج پر تھے' عین اس وقت سید مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

"افسوس کہ لیگ کے قائداعظمؒ سے لیکر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھتا ہو"۔

(ترجمان القرآن ذی الحجہ 1359ھ صفحہ 33)

پھر فرمایا 13-

"مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن میں اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمح نظر پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے..... جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی' ان کا گمان غلط ہے دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہو گا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی بلکہ اس سے بھی زیادہ قابل نفرت۔ (جلد سوئم صفحہ 132-131)

ترجمان القرآن محرم 1360ھ صفحہ 29)

قارئین سمجھیں گے شاید یہ ماضی بعید کا بیان ہے۔ نہیں جناب یہ سابقہ 2 سال کے مضامین کے بعد کے بیان ارتقائی ہیں۔ اندازاً" سال 1940ء بنتا ہے۔ یہ بیان سابقہ فرمان نمبر 4 کی تردید ہے۔ پھر فرماتے ہیں نمبر14-

"بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے۔ پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعے سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اسے ایک معجزہ سمجھوں گا"۔ (جلد سوئم صفحہ 168)

بیان کی رو سے۔ سید مودودی صاحب کی تاریخی۔ سیاسی۔ اجتماعی بصیرت کے مطابق اس حاصل شدہ قومی اسٹیٹ کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کرنا ناممکن تھا۔ مگر ان کی جماعت اسلامی کے تمام لوگ اسے اسلامی اسٹیٹ بنا کر اپنے بانی کے دعویٰ کو غلط ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ نہ جانے کیوں؟ خیر یہ ان کا معاملہ ہے۔

پھر فرماتے ہیں 15-

"یہ انبوہ عظیم' جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے 999 فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں' نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے اس لئے یہ مسلمان ہیں نہ انہوں نے حق کو حق جان کر قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابل داد ہے..... ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے کہ وہ نسلاً" مسلمان ہیں۔ حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہو گا اسلامی اصول ہی پر ہو گا پہلی اور بنیادی غلطی ہے"۔ (جلد سوئم صفحہ 130)

یہ تو قائداعظم یا مسلم لیگ نے کبھی دعویٰ کیا ہی نہ تھا کہ

یہ سب افراد قوم کے سچے حقیقی مسلمان ہیں بلکہ مقصد آزادی ہی یہ تھا کہ غلامی میں حقیقی مسلمان بن کر جیا ہی نہیں جا سکتا۔ لہٰذا آزادی' اسلام کا پہلا تقاضا ہے تاکہ اس کے قوانین کے مطابق صحیح معنوں میں مسلمان بن کر جینا شروع کریں۔ دو صدیوں کی غلامی کے بعد غلاموں سے حقیقی مسلمان ہونے کی توقع ہی عبث تھی۔ بہرحال یہ بیان نمبر 15 انہی کے سابقہ بیان نمبر 4 اور نمبر 9 کی تردید ہے۔ جو خدمات انہوں نے ماضی میں تحریک پاکستان کیلئے کی تھیں ان کی تردید کا سلسلہ جاری ہے۔

پھر فرماتے ہیں نمبر16۔

"یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ہائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں"۔ (جلد سوئم ص 166)

پھر فرمایا نمبر17۔

"اگر آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کر سکیں گے یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل' کوے' گدھ' بٹیر' تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں ہر ایک "چڑیا" ہے"۔ (جلد سوئم ص 31)

معلوم نہیں آج کل جماعت اسلامی بنے بنائے حقیقی مسلمانوں کو رکن بناتی ہے یا انہیں بھانت بھانت کے لوگوں کو لے کر حقیقی مسلم بناتی ہے۔

پھر فرماتے ہیں نمبر18۔

"اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے بے بہرہ لوگوں کی قیادت میں ایک بے دین قوم کی حیثیت سے اپنا علیحدہ وجود برقرار رکھا بھی (جیسا کہ ترکی اور ایران میں برقرار رکھے ہوئے ہیں) تو ان کے اس طرح زندہ رہنے میں اور کسی غیر مسلم قومیت کے اندر فنا ہو جانے میں آخر فرق ہی کیا ہے؟ ہیرے نے اگر اپنی جوہریت ہی کھو دی تو پھر جوہری کو اس سے کیا دلچسپی کہ وہ کم بخت پتھر کی صورت میں باقی رہے یا منتشر ہو کر خاک میں رل مل جائے۔" (جلد سوئم ص 8)

"ابھی تک قوم کی وہی اخلاقی صورت چلی آ رہی ہے۔ اب ان جوہریوں کو کیوں قوم کا غم کھائے جا رہا ہے جب یہ اپنی جوہریت ہی کھو بیٹھے ہیں تو مل جانے دیں خاک میں"

آپ دیکھیں گے کہ یہ بیان ان کے سابقہ بیان نمبر4' جس میں عوام میں ابھی ایمان کی دبی چنگاری کی موجودگی کو آخری شعاع امید فرماتے تھے کی تردید کر دی۔ بیان نمبر3 جس میں مسلمانوں کی حیات کو برقرار رکھنا ناگزیر قرار دیا اور بیان نمبر1 جس میں انقلاب میں اپنے قومی تشخص و تہذیب کی حفاظت کے لیے تیار کرنا فرمایا تھا' کی تردید کرتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح بیان نمبر5 کی بھی تردید ہوتی ہے جہاں کسی دوسری قوم میں جذب ہونے کیلئے تیار نہیں تھے اب فرماتے ہیں چاہے غیر مسلم قوم میں فنا ہو جائیں۔

اب آیئے اس بیان نمبر13 کی طرف کہ جہاں فرمایا کہ مسلم لیگ کے کسی ریزولیشن یا ذمہ دار لیڈر کی کسی تقریر میں آج تک یہ واضح نہیں کیا گیا کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مسلم لیگ اور ان کے راہنما کی طرف سے اسلامی طرز حکومت کے دعویٰ کو اس قدر دہرایا گیا کہ غیر مسلم تک جان گئے تھے کہ قائداعظم اور مسلم لیگ چاہتی کیا ہے۔

جہاں تک انگریز کا تعلق ہے وہ ایک لمحہ کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ دنیا کے کسی حصے میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے چنانچہ بہت پہلے لارڈ کرومر فرماتے ہیں۔

"اگر مسلمان ممالک آزاد ہونا چاہتے ہیں تو ہم ان کو آزاد کر دیں گے لیکن اگر وہ اپنی اسلامی حکومت قائم کرنا چاہیں تو ہم یہ ہرگز برداشت نہیں کریں گے"۔ (ہفتہ وار ایشیا 18 جولائی 76ء)

اب ہندو کی زبانی بھی سن لیں کہ وہ مطالبہ پاکستان کے کیا معنی سمجھے تھے۔ یکم نومبر 1941ء لدھیانہ میں اکھنڈ بھارت کانفرنس میں صدارت فرماتے ہوئے مشہور (ہندو لیڈر مسٹر منشی فرماتے ہیں۔

"تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان ہے کیا؟ نہیں معلوم تو

سن لیجئے کہ پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لیے ایسے ایسے مسکن بنا لیں جہاں طرز حکومت قرآنی اصولوں کے سانچے میں ڈھل سکے اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا وہ خطہ ارضی ہو گا جہاں اسلامی حکومت قائم ہو گی"۔

کہئے قارئین کچھ اندازہ ہوا کہ

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

محترم مختار مسعود کی کتاب "آواز دوست" کا ایک اقتباس یاد آرہا ہے کہ

"کچھ لوگوں کی زندگی میں بڑائی (عظمت) کا صرف ایک دن آتا ہے چہ عجب کہ باقی زندگی اس دن کی نفی میں ہی گزر جائے"۔

(یہی کچھ نقشہ یہاں لگتا ہے)

جناب قائداعظمؒ نے (18 جون 45ء) فرنٹیئر مسلم اسٹوڈنٹس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"پاکستان کا مطلب صرف آزادی نہیں۔ اس کا مفہوم اس مسلم آئیڈیالوجی کو محفوظ کرنا ہے جو ایک بیش بہا متاع کی صورت ہمیں ورثہ میں ملی ہے"

اور یہ وہ زمانہ تھا جب 46-1945ء کے الیکشن قریب تھے۔

اس نازک مرحلے پر قائداعظمؒ فرماتے ہیں۔ (23 مارچ 45ء پاکستان ڈے کا پیغام قوم کے نام)

یاد رکھو۔ اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو نہ صرف یہ کہ ہم تباہ ہو جائیں گے بلکہ اس برصغیر میں مسلمانوں اور اسلام کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔

ادھر مودودی صاحب فرماتے ہیں۔ اخبار کوثر 28 اکتوبر 45ء (بحوالہ مولانا مودودی۔ دعاوی اور عمل) ص 8

-19

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو۔ بہرحال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارہ کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں"۔

آپ سوچ رہے ہونگے کہ یہ ساری مخالفت اصولوں کی بنیاد پر ہوئی ہو گی اور اصول پرستی کا معیار بھی آپ نے دیکھ لیا اب اور آگے بڑھئے وجہ اختلاف دیکھئے۔

(تحریک پاکستان کی بجائے اگر مسلمانان ہند اس دعوت کو قبول کر لیتے جو وہ دے رہے تھے)

فرمایا 20-

"تو آج ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بالکل بدلا ہوا ہوتا اور دو چھوٹے چھوٹے پاکستانوں کی جگہ سارے ہندوستان کے پاکستان بن جانے کے امکانات... ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے"۔.... (روئیداد جماعت اسلامی ص 120-114 حصہ پنجم)

فرمایا 21-

"یہ لوگ ہندوستان کے ایک ذرا سے کونے میں پاکستان بنانے کو اپنا انتہائی مقصد بنائے ہوئے ہیں لیکن اگر فی واقعہ خلوص قلب سے اسلام کی نمائندگی کے لئے کھڑے ہو جائیں تو سارا ہندوستان پاکستان بن سکتا ہے"۔

(روئیداد جماعت اسلامی حصہ پنجم۔ ص 65)

یہاں تو خلوص قلب پر شک ہے آگے دیکھئے۔ کیا کیا الزام ہیں اور کن کن پر۔

فرمایا 22-

"ایسے لوگوں کو محض اس لیے مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی طرز تنظیم کے استاد فن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے"۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوئم ص 70)

اوپر کے بیان نمبر 21 میں خلوص قلب نہیں۔ یہاں وہ اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ تضاد ملاحظہ ہو۔

پھر فرمایا 23-

"ان لوگوں کی عملی زندگی اور ان کے خیالات' نظریات' طرز سیاست اور رنگ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی"۔ (جلد سوئم ص 74)

پھر فرمایا 24-

"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اسلام کے نام پر کام کر رہی ہیں اگر فی الواقعہ اسلام کے معیار پر ان کے نظریات' مقاصد اور کارناموں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنس کاسد نکلیں گی خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علمائے دین و مفتیان شرع مبین۔ دونوں قسم کے راہنما اپنے نظریہ اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں۔ گم کردہ راہ ہیں۔ دونوں راہ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں" (جلد سوئم ص 95' مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش)

پھر فرمایا 25-

"انسانیت کو اس دردناک انجام سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ صرف ایک صالح نظریہ اور صالح جماعت کا برسر کار آنا"۔ (صفحہ 197' جلد سوئم)

یعنی دو قومی نظریہ صالح تھا نہ مسلم لیگ کی جماعت۔ اگر دو قومی نظریہ صالح ہی نہ تھا تو اس میں جان ڈالنا اور اس کے علمی استدلال کا دعویٰ کیا کہلائے گا؟

مگر ٹھہریئے مزید ارتقا بھی دیکھتے جایئے کیونکہ اب پاکستان بن چکا ہے اور جماعت اسلامی ہی اس کو اسلامائز کرنا چاہتی ہے۔ (جو کہ بیان نمبر 14 کے مطابق ممکن ہی نہ تھا)

فرمایا 26-

روزنامہ نوائے وقت لاہور 14 اگست 1976ء

"اس تحریک کے آغاز ہی سے عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی تمناؤں کا مرکز پاکستان ایک اسلامی مملکت ہو گا۔ جس میں اسلام کا قانون جاری ہو گا اور اسلامی تہذیب زندہ کی جائے گی۔ اسی لیے اس کا نعرہ یہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا۔۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ مسلم لیگ کے لیڈر بھی اپنی تقریروں میں یہی خیال ظاہر کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر خود قائداعظمؒ مرحوم و مغفور نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان کا دستور قرآنی ہو گا"۔

کہئے قارئین حافظہ ساتھ دیتا ہے تو ٹھیک ورنہ۔ یہاں نمبر 13 پھر پڑھئے۔ لکھا تھا مسلم لیگ یا کسی لیڈر کے بیان سے واضح نہیں کہ پاکستان کا نظام حکومت اسلامی ہو گا۔

میں جناب سید مودودی صاحب کے 14 اگست 1976ء کے بیان پر بات ختم کروں گا۔

بیان نمبر 26A-

"یہ خیال کرنا کہ جماعت اسلامی کا قیام مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے اور تحریک پاکستان کے خلاف ایک دوسری تحریک اٹھانے کے لیے کیا گیا تھا محض ایک بدگمانی ہے..... یہ بدگمانی صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتی تھی جبکہ جماعت نے تحریک پاکستان کے خلاف کوئی مہم چلائی ہوتی یا کوئی جلسہ کیا ہوتا۔ یا کوئی قرار داد پاس کی ہوتی یا اس کے اجتماعات میں مخالفانہ تقریریں کی ہوتیں۔ لیکن اگست 1941ء سے اگست 1947ء تک جماعت کی پوری کاروائیوں میں کسی ایسی چیز کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی۔ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو بس یہ کہ ہم نے تحریک پاکستان میں حصہ نہیں لیا۔ بہرحال ہم نے جس وقت یہ کام شروع کیا تھا اس وقت بھی اسے برحق سمجھتے تھے اور آج اس سے زیادہ برحق سمجھتے ہیں"۔ واقعی (قارئین جانتے ہیں کہ تحریک پاکستان کے خلاف انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ کیا سابقہ تحریریں ثبوت کے لیے کافی نہیں ہیں)

اسی نوائے وقت کی اشاعت 14 اگست 76ء میں فرمایا بیان نمبر 26A-

"آپ کی معلومات کے لیے اتنا کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ہوش سنبھالنے کے بعد جب سے میں نے ملکی سیاست میں دلچسپی لینی شروع کی تھی میرے دل میں مسلمانوں کے جن لیڈروں کا احترام سب سے زیادہ تھا ان میں ایک قائداعظمؒ مرحوم بھی تھے۔ میں نے ہمیشہ ان کو بااصول' راستباز' مضبوط سیرت و

کردار کا مالک انسان سمجھا اور (1920ء سے 1948ء تک کبھی میرے دل میں ان کے متعلق یہ بدگمانی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف بھی کوئی بات کہہ سکتے ہیں"۔

ویسے تو بیان نمبر 12 اس بیان کی واضح تردید ہے مگر چلیں ہم اسے اصلاحی بیان تسلیم کر لیتے ہیں پھر بھی سوال یہ ہے کہ جب ان پر اس قدر اعتماد تھا تو تحریک پاکستان میں حصہ کیوں نہ لیا؟ اور آخری بات یہ کہ محترم سید مودودی صاحب کی دیانت داری ہے کہ انہوں نے تسلیم کیا کہ ہم نے تحریک پاکستان میں حصہ نہیں لیا۔

میری ان کی جماعت کی اعلیٰ قیادت سے مودبانہ گذارش ہے کہ وہ کم از کم سید مودودی صاحب کے اس دیانتدارانہ بیان کا ہی لحاظ کریں۔ پاکستان میں اسلامی نظام لانے میں آپ کامیاب ہوئے ہیں یا نہیں کم از کم اللہ تعالیٰ کے حضور ہونے والی پیشی میں کامیابی کو یقینی بنائیں اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ذاتی رجحانات کی وجہ سے تاریخی حقائق کو جھٹلانے سے محفوظ رکھے کہ اعتراف حقیقت ہی بڑی عظمت ہے۔

THE BEST INVESTMENT

Pamphleteering has proved to be the best way of spreading Quranic knowledge. One pamphlet of average size cost Rs 10,000 and with it you can illuminate *5000* homes with Quranic wisdom. Lovers of Quran are invited to invest liberally. They can deposit their shares of money in Account NO. 3082-7 National Bank of Pakistan Main Market Branch, Gulberg, Lahore or directly in the office of Idara Tolu-e-Islam.

Chairman
Idara Tolu-e-Islam

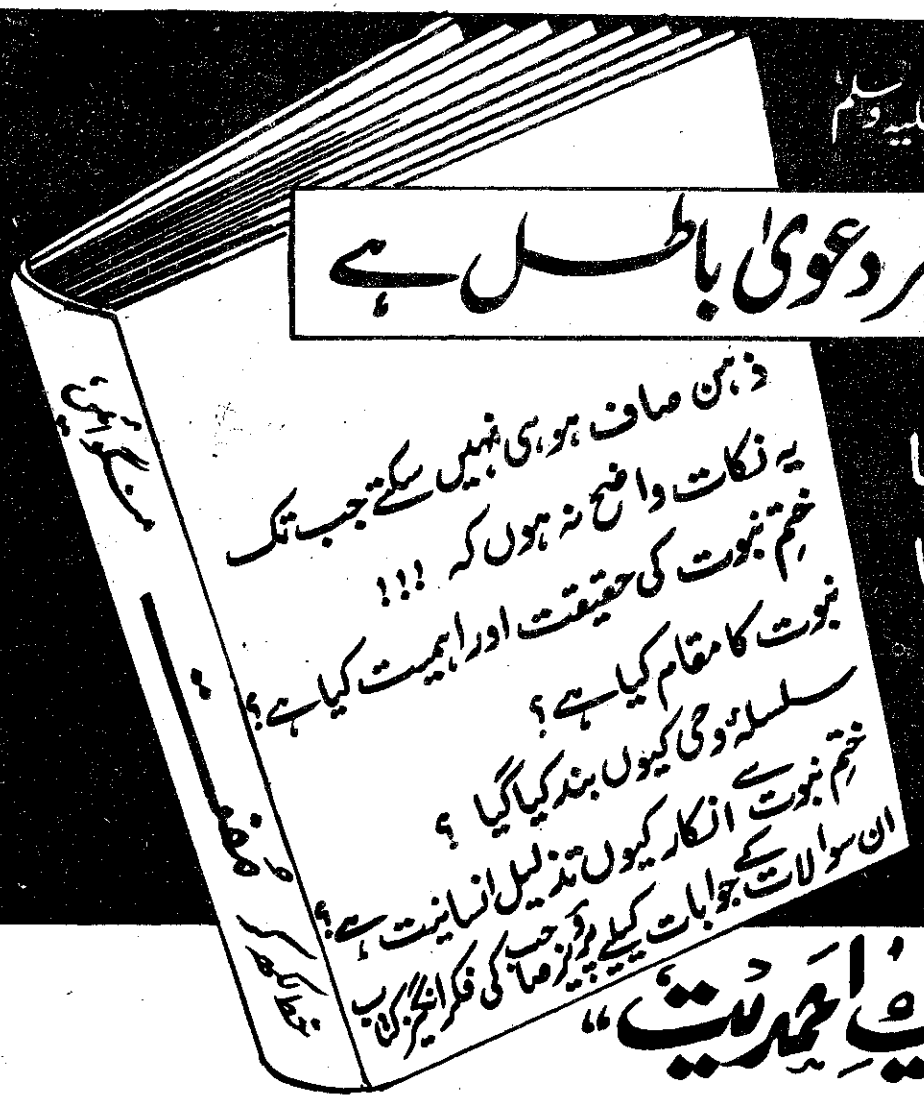

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد نبوت کا ہر دعوی باطل ہے

مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے

ذہن صاف ہو ہی نہیں سکتے جب تک
یہ نکات واضح نہ ہوں کہ !!!
ختم نبوت کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟
نبوت کا مقام کیا ہے؟
سلسلۂ وحی کیوں بند کیا گیا؟
ختم نبوت سے انکار کیوں تذلیل انسانیت ہے؟
ان سوالات کے جوابات کیلئے پرویز صاحب کی فکر انگیز کتاب

خط لکھ کر مفت منگوائیں

"ختم نبوت اور تحریک احمدیت"

طلوع اسلام ٹرسٹ 25-B گلبرگ II لاہور 54660 فیکس نمبر 042-5866617

VOICE OF YOUTH

TAKING BACK THE NIGHT

(A Dialogue)

By
Adeel Shafqat
(A student of O level)

They took it from us.
I shall take it back.
They spread evil, hunger and disease.
I shall remove it.
They rule it mercilessly.
I shall overthrow the kingdom.
We are their subjects.
I shall rebel.
They are dark.
I shall vanquish the evil.
They kill without remorse.
So shall I.
What makes you different from them.
My motivation.
What shall make you better than them?
My Conviction.
Then fight!
Fight and take back the night from the evildoers.
You shall succeed.
As surely as light always triumphs over darkness.
So shall you triumph
Over the evil that lingers in the night.
Fare well

To.

The Editor, DAWN,
Karachi.

I do not agree with the several statements F.A. Khan has made in his letter of August 2 on "Jamaat and Islamization". The very fact that Jamaat-i-Islami was founded in the year 1941, within a year of the Lahore (Pakistan) Resolution, is a pointer to the fact that it was to counter the aims and objects of the Muslim League. Iqbal's works and the Qaid's speeches and statements are ample proof of the Islamic vision they upheld, so that they could offer an alternative in the Pakistani model when the communist system, because of its inherent. Contradictions, would collapse. Western orientation is not restricted to trouser suits and clean-shaven faces, nor Islamization to *shalwar qameez* and beards! Oh! Come of it Mr. F.A. Khan, historical facts and life are too serious to play around with.

If Maulana Maudoodi had educated his ego he would not have had to play into the hands of the enemy. However, since he could not sabotage Qaid's leadership he planted himself within the country Qaid had achieved against such heavy odds, one of the odds being Maulana Maudoodi himself. If the Qaid wished him well, it shows the Qaid's large-heartedness ad self-confidence, and no more.

Mr. F.A. Khan says. "There were many among the Muslim Leaguers then who wanted the Jamaat to be made the ideological wing of Muslim League. If that had happened, the present situation would have been altogether different".

No! It would not be any different from what it is now. If things are not worse, it is inspite of them and thanks to certain other positive forces. I shall pinpoint them in a few words:

(1) It was Maulana Maudoodi's *fatwa* on land reforms whereby not an inch of land could be taken away from any individual, that ended in the dissolution of the Land Reform Commission. The result is that feudalism and the feudal mind-set, is the curse that we are buried in today. Feudalism in its worst form is entrenched both in the soil and the human minds.

(2) Anti-women laws—Hadood Ordinance, Zina Ordinance, Law of Evidence, Law of Blasphemy—all issued under Ziaism with the collaboration of the Jamaat, or at least with their ideological inspiration, have made our lives a veritable hell.

(3) The whole educational system has been hijacked and destroyed by the Jamaat's Tulaba branch by capturing universities and colleges all over the length and breadth of the country: knowledge and wisdom has been buried deep.

What more do you want to do? Turn it into "Talibanistan"? We will not let you do that.

(Ms. Shamim Anwar)

****

Jamaat and Islamization

The following letter by Mr. F.A. Khan appeared in "DAWN" of August 2. It was responded to by Ms. S. Anwar. But this response did not appear in "DAWN" 's letter columns. Recognising the seriousness of the subject we are printing both the letters in this issue of Tolu-e-Islam Magazine. Editor.

****

The Jammat-i- Islami founded by the late Maulana Abul-Aala Maudoodi in 1941 was meant to infuse Islamic spirit into Muslims. This naturally attracted a large number of educated Muslims. particularly students. The founder of the Jamaat dealt with the political situation then prevailing in South Asia in his book Musalman aur Maujooda Siasi Kashmakash. He did not oppose the demand for the creation of Pakistan. However. he criticized the main leadership of the Muslim League and expressed the fear that they would not introduce the Islamic way of life in the new country because of their Western orientation.

According to a vast majority of educated Muslims. the Maulana was not far off the point regarding the possibility of the Muslim League leadership going astray after the achievement of Pakistan. But at the same time. they thought it imperative for the Muslims of India to rally round the Quaid-i-Azam for the achievement of a homeland for the Muslims of the subcontinent. The Jamaat at the time was not popular among the Muslim masses.

After the achievement of Pakistan. Maulana Maudoodi explained his views to the government of Pakistan. He received willing support not only from educated Pakistanis but also from almost all leaders of the Muslim League. Even the Quaid-i-Azam wished Maulana Maudoodi well and encouraged him to chalk out the basics of the future constitution of Pakistan.

His successor. Mian Tufail Muhammad. carried this role of the Jamaat-i-Islami further. The result was that the Jamaat had come out of the stigma of indirectly opposing the Muslim League and Pakistan in pre-independence days. In fact. there were many among the Muslim Leaguers then who wanted the Jamaat to be made the ideological wing of Muslim League. If that had happened. the present situation would have been altogether different.

But. unfortunately. Qazi Hussain Ahmad. the present Amir of the Jamaat. is aligning the Jamaat with the known opponents of the Islamic system in Pakistan. In this way. he has estranged a large number of well-wishers and supporters of the Jamaat. I hope Qazi Sahib will realize this mistake before it is too late.

(F.A. Khan)